کتاب الانوار

ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب

۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ

پرنٹر

اقبال برادرز،

پاکستان چوک، کراچی،

پاکستان۔

فہرست مضامین

اظہار امتنان

میں سب سے پہلے ہمارے دو نامور اور قابل فخر اسکالرز محترم و مکرم جناب الواعظ رائی کمال الدین علی محمد صاحب اور جناب الواعظ اعتمادی فدا علی ایثار صاحب کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے اس کتاب کے پورے مسودے کو پڑھا اور انتہائی مفید اور سود مند مشورے دئے اور کتاب کی اشاعت کا راستہ ہموار کیا۔ اس رسالے کا ان دونوں جید اسکالرز کی محتاط نظر سے گزرنا اور اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا نہ صرف میرے لئے اطمینان قلبی کا باعث ہے بلکہ اس رسالے کی افادیت پر بھی مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔ الحمد لله علیٰ احسانه۔

میں ان تمام دوستوں، ہمکاروں اور شاگردوں کو کیسے بھول سکتا ہوں جو میری تحریروں کے قدر دان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خیرخواہوں کی قدر دانی اور ہمت افزائی ہی تو ہے جو اس بندۂ عاصی کے کمزور ہاتھ میں روح عمل اور ناتوان قلم میں حرکتِ تحریر پیدا کرتی ہے۔ دعا ہے کہ میری یہ حقیر کوششیں ان سب کو علم کے بلند درجات تک پہنچانے میں مدد گار ثابت ہوں۔

میرے علمی کاموں کو آسان بنانے میں طریقہ بورڈ کے دونوں لائبریرین جناب عبد النبی عبد العلی اور جناب اکبر جمعہ خان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا میں کیسے بھول سکتا ہوں، اسی طرح میرے عزیز میرباز خان ہنزائی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جو نہ صرف بڑی مہارت اور

ہنر مندی سے میری کتابوں کی فور میٹنگ کرتے ہیں بلکہ کمپوزنگ سے متعلق تمام کاموں میں میری مدد کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے ہیں۔ باری تعالے ان کو اس کار خیر کا نیک صلہ دے، آمین۔

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و ثنا خالقِ ارض و سما کے لئے جس نے اندھیروں اور نور کو بنایا، خاک کے ایک تاریک ذرّے سے انسان کو وجود بخشا اور اس میں عقل کا چراغ روشن کیا، معاش کا راستہ نور عقل اور حواس کے ذریعے دکھایا اور معاد کا راستہ نور ہدایت و ایمان کے ذریعے۔ وہ ہر چیز کو اس کی خلقت کے تقاضے کے مطابق نور عطا کرنے والا ہے۔ اس کا شکر ہم پر واجب ہے، اس لئے نہیں کہ اس کی شان میں اضافہ ہو، بلکہ اس لئے کہ ہماری نعمتوں میں اضافہ ہو، ہماری قلت شکر اور اس کی کثرت عفو کا یہ عالم ہے کہ گناہ ہم کرتے ہیں اور شرمسار وہ ہوتا ہے۔

کرم بین و لطف خداوندگار
گناہ بندہ کرداست و او شرمسار

ترجمہ: باری تعالیٰ کا لطف و کرم دیکھو، گناہ بندہ کرتا ہے اور شرمسار وہ ہوتا ہے۔ (سعدی)

صلوٰۃ نامحدود ہو اس درّ یتیم پر جو نور توحید کے چراغ سے کفر و شرک کی تاریکیوں میں روشنی پھیلانے والے ہیں۔ ان کا شکر ادا کرنا بھی ہم پر واجب ہے اس لئے کہ خدائے سبحان کی سب سے بڑی نعمت جو کہ نور ہدایت ہے ہم تک پہنچانے والے آپ ہی ہیں، ان کی رضامندی خدا کی رضامندی اور ان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔ ہم ان کی خوشنودی کے امیدوار ہیں اور ان کی شفقت اور مہربانی کے طلبگار بھی۔

بفضل خدای است امیدم که باشم
یکی امّتِ کمترینِ محمد

ترجمہ: خدا کے فضل و کرم سے مجھے پوری امّید ہے کہ میں محمدؐ کا ایک ادنیٰ امتی بن کے زندگی بسر کروں گا۔ (ناصرخسرو)

درود ہو ان کے وصی پر جو مصباح نبوت کو اہل عصیان کی پھونکوں سے بچانے والے فانوس ہیں، ان کا شکر ادا کرنا بھی ہم پر واجب ہے، اس لئے کہ ان کی خوشنودی نبی کی خوشنودی اور ان کی ناراضگی نبی کی ناراضگی ہے۔ منافق آپ کے ساتھ دشمنی کے لئے بے قرار ہے اور مومن آپ کے ساتھ دوستی کیلئے بے چین ہے۔

بصد سال اگر مدح گوید کسی
نہ گوید یکی از ہزارِ علی

ترجمہ: اگر کوئی شخص سو سال تک بھی علیؑ کی مدح بیان کرتا رہے، تو علیؑ کے ہزاروں اوصاف میں سے ایک صفت بھی بیان نہیں کر سکے گا۔ (ناصر خسروؒ)

سلام ہو ان کی آل پر جن سے خدا نے ہر قسم کی رجس (ناپاکی) کو دور کیا ہے اور انھیں ایسا پاک کیا ہے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے (۳۳: ۳۳)، ان کا شکر ادا کرنا بھی ہم پر واجب ہے اس لئے کہ وہ مطابق نُورٌ عَلٰی نُور باری تعالیٰ کی جانب سے نورِ توحید کے چراغ کو قیامت تک بندوں کے درمیان روشن رکھنے کا وسیلہ ہیں۔

نیارم گُزیدن کسی را برایشان
کہ شرم آیدم از جبینِ محمدؐ

ترجمہ: مجھ میں یہ تاب و طاقت نہیں کہ آلِ محمد پر کسی اور کو ترجیح دوں، اس لئے کہ مجھے محمد مصطفیٰ صلعم کے چہرۂ مبارک سے شرم آتی ہے۔ (ناصر خسروؒ)

فامّا بعد، اس سے پہلے ہم نے ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام کتاب الهدایة ہے۔ کتاب الهدایة کا مطلب ہے وہ کتاب جس میں ہدایت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ ہدایت کیا ہے؟ قرآن حکیم، ارشادات نبوی اور فرامین ائمہ میں یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہے کہ ہدایت ایک نور یعنی روشنی ہے۔

قرآن حکیم میں باری تعالیٰ کے لئے نور کا لفظ استعمال ہوا ہے، رسولؐ کو بھی نور کا نام دیا گیا ہے، قرآن کو بھی نور کہا گیا ہے، ائمہ کو بھی نور کہا گیا ہے اور نور کو مومنوں سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی نور یعنی نور توحید کے مختلف ظہورات، انعکاسات اور تجلیات ہیں۔ اسلام بھی ایک نور ہے، ایمان نور ہے، یقین نور ہے، علم نور ہے اور عقل بھی نور ہے۔ چنانچہ اگر ان تمام کی طرف مجموعاً اشارہ کرنا مقصود ہو تو جمع کا لفظ استعمال کرنا پڑے گا، اور نور کی جمع انوار ہے۔ چونکہ اس کتاب میں انوار کا بیان ہے لہٰذا ہم نے اس کا نام کتاب الانوار رکھنا مناسب سمجھا، اس لئے کہ اس میں ان اہم اور بنیادی آیات مقدسہ کی جن کا تعلق نور سے ہے ایک آسان اور سادہ تشریح پیش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں آیۂ نور کی بھی وضاحت کی گئی ہے جو قرآن حکیم کی انتہائی اہم آیات میں سے ایک ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کی تشریح کی ضرورت کا احساس کرنے کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ مولانا حاضر امام کی گولڈن جوبلی کے سال میں یوم امامت کے موقع پر تلاوت کیلئے اس آیت کو منتخب کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ اس آیت کی معنوی وسعت اور امامت کے نقطہ نگاہ سے اس کی تشریح و تعبیر کی اہمیت

ہے، ورنہ قرآن حکیم کی کوئی بھی آیت پڑھی جا سکتی تھی۔ چنانچہ ایسا محسوس ہوا کہ اگر اس آیہ مبارکہ کے ساتھ اس کی تشریح بھی جماعت کے لئے میسر ہو تو سونے پر سہاگہ ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ معنوی اہمیت اور تمثیلی نوعیت کی وجہ سے یہ آیت ہمیشہ سے ان طالب علموں کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے جو قرآن حکیم کی حکمت تک رسائی حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ گزشتہ تین عشروں کے دوران اس بندہ عاصی کے پاس مختلف کلاسوں کے طلبا و طالبات آتے رہے اور نہ صرف اس آیت کے بارے میں سوالات پوچھتے رہے بلکہ پڑھنے کے لئے کچھ مناسب مواد کا بھی مطالبہ کرتے رہے۔

زبانی گفتگو کی حد تک تو ان کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی گئی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بندہ ناتوان ایسے طلبا و طالبات کو کسی مناسب مواد کی جانب رہنمائی کرنے سے قاصر رہا، اس لئے کہ اس آیت کی کوئی ایسی تشریح اردو زبان میں لکھی ہوئی کسی کتاب میں نظر نہیں آئی جو پوری آیت پر حاوی، مربوط اور یکجا ہو اور اس سے قرآن فہمی کے سلسلے میں شیعی اور خاص طور پر اسماعیلی نقطۂ نگاہ کی بھی عکاسی ہو، اور طلبا و طالبات اس سے آسانی سے استفادہ کر سکیں۔ بلاشبہ کتب تفاسیر وغیرہ میں اس آیت کی تشریحات بکثرت موجود ہیں، ان میں سے بعض کو فلسفہ کا رنگ دیا گیا ہے، بعض کو تصوف کا اور بعض سے ظاہر محض کی عکاسی ہوتی ہے۔ مگر یہ مواد اس قدر مختلف، متفاوت اور منتشر ہے کہ اس کی جانب کسی نو آموز طالب علم کی رہنمائی کرنا اسے ذہنی انتشار اور پریشانی سے دوچار کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ بلا شبہ ہمارے داعیوں کی کتابوں میں بھی موقع اور محل کی

مناسبت سے آیۂ نور کے مختلف حصوں کی انمول وضاحتیں پائی جاتی ہیں، مگر ان کی زبان عربی یا فارسی ہونے کی وجہ سے ان سے استفادہ کرنا ایک عام قاری کے بس کی بات نہیں ہے۔ پس اس ضرورت نے بھی ہمیں اس بات پر آمادہ کیا کہ نہ صرف اس آیت کی ایک سادہ اور آسان تشریح پیش کی جائے بلکہ ساتھ ساتھ بعض دوسری اہم آیات کی بھی وضاحت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ سپرد قلم کریں جو قرآن کی دوسری آیات، احادیث نبوی اور ارشادات ائمہ پر مبنی ہو اور جس سے اسلام کے شیعی اور خاص طور پر اسماعیلی نقطۂ نگاہ کی بھی عکاسی ہو۔

چنانچہ اس کتاب میں نور خداوندی، نور نبوت، نور ولایت، نور قرآن اور نور مومنین جیسے موضوعات پر قرآن حکیم کی آیات، احادیث نبوی، ارشادات ائمہ اور بزرگان دین کے اقوال کی روشنی میں گفتگو ہوئی ہے۔ چونکہ ہمارے علم و اطلاع کے مطابق اردو یا انگریزی زبان میں آج تک کوئی ایسی کتاب ہمارے بزرگوں کے قلم سے تحریر نہیں ہوئی ہے جس کی بنیاد آیاتِ نور ہو، اس لئے امید ہے کہ یہ رسالہ نور کے موضوع سے تعلق رکھنے والی قرآنی آیات اور خاص طور پر آیۂ نور کی تشریح کو سمجھنے میں ایک سادہ، آسان مگر رہنما دستاویز ثابت ہوگا۔

اگر اس کتاب میں محترم قاری کو کچھ مفید مطالب ملے تو یہ خازن علم الٰہی کے جود و کرم کا ثمرہ ہے اور اگر کوئی خطا و لغزش نظر آئے تو وہ نویسندہ کے علم، عمل اور تقویٰ کی کمی کا نتیجہ ہے۔ توفیق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور خطا و لغزش سے بچانے والا بھی وہی ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ا۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور (عطا کرنے والا) ہے:

ارشاد باری ہے : **اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ** (۳۵:۲۴)
اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور (عطا کرنے والا) ہے، اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں ہو، وہ قندیل ایسی ہو گویا وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے، وہ زیتون کے ایک ایسے برکت والے (درخت) کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، قریب ہے کہ اس کا تیل (خود بخود) روشن ہوجائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، وہ نور بالائے نور ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کو آیۂ نور کہا جاتا ہے اور یہ قرآن حکیم کی آیات متشابہات میں سے ہے، یعنی ان آیات میں سے ہے جن کے ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں۔ یہ کلام مجید کی انتہائی تمثیلی (symbolic) اور پُر حکمت آیت

ہے۔ اس کی تمثیلی تشریح سے متعلق ائمّہ اور بزرگان دین کی بعض بالواسطہ یا بلاواسطہ وضاحتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کی آراء متفاوت ہیں۔ یہ وضاحتیں متفاوت ہونا ایک فطری امر ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ " اس (قرآن) میں کتنی ہی ایسی آیتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ خدا انسانوں سے تشبیہی اور تمثیلی انداز میں خطاب کرتا ہے، اس طرح قرآن نے ہر قسم کی تفسیر و تاویل کے امکانات کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے۔۔۔" (۱)

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں المیزان فی تفسیر القرآن میں لکھا گیا ہے کہ راوی نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نور کی مثل ہے۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی تو کوئی مثال ہی نہیں، کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا: فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (۱۶:۷۴) پس تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔

کلام مجید کی اس آیت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ذات خداوند اس بات سے پاک ہے کہ اس کے بارے میں مثالیں گھڑی جائیں۔اس لئے کہ روحانی اور جسمانی مخلوقات میں سے کوئی بھی مخلوق اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی، لہٰذا اس کی کوئی مثل نہیں۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (۴۲:۱۱) کوئی چیز اس کی مانند (مثل) نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باری تعالےٰ کی ذات مثالوں میں بیان نہیں ہوتی۔ کلام مجید میں خدا کے بارے میں جتنی بھی مثالیں بیان ہوئی ہیں ان کا تعلّق ان مقدس ہستیوں سے ہے جو اس کی خلافت کے عظیم

منصب پر فائز ہیں اور اس کی صفات کے لئے آئینہ اور مظہر ہیں جس کی تصدیق ارشاداتِ ائمّہ سے ہوتی ہے، تفسیر صافی کے صفحہ ۳۵۱ پر بحوالۂ التوحید امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال ہمارے متعلق بیان کی ہے۔ (۲) ذیل میں ہم اللہ تعالیٰ کے حول و قوت اور خازنان علم الٰہی کی تائید و ہدایت کی روشنی میں اس آیۂ کریمہ کی وضاحت قدرے تفصیل سے اس طرح کریں گے جس سے دین کا راستہ ڈھونڈنے والے مومن کے لئے اس آیت کی حکمت سمجھنا آسان ہو:

الف۔ اللّٰہ نور السّمٰوٰت و الارض (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور [عطا کرنے والا] ہے):

اس آیت میں نور سمٰوٰت اور ارض (آسمانوں اور زمین) کی طرف مضاف یعنی منسوب ہوا ہے، جب کہا جاتا ہے کہ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصل میں نور آسمانوں اور زمین کا ہے، خدا کا نہیں، اور وہی آسمانوں اور زمین کا نور خدا ہے، مگر یہ خدا کی شان میں ایک بہت بڑی گستاخی ہے جس سے ہم اس کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس پیچیدگی کو حل کرنے کیلئے علماء نے بے شمار تشریحات کی ہیں، بعض میں فلسفہ کا رنگ نظر آتا ہے اور بعض میں تصوف کا جبکہ بعض کا تعلق ظاہرِ محض سے ہے۔(۳) ہم یہاں طوالت کے خوف سے، اور اس لئے بھی کہ ان بکھری ہوئی مختلف تشریحات میں کوئی اضافی فائدہ بھی نظر نہیں آیا، ان سے صرف نظر کرتے ہیں، اور صرف ان باتوں پر اکتفا کرتے ہیں جن کا تعلق اہل بیتِ رسول کی تعلیمات سے ہے، اور وہ کلام مجید کی دوسری آیات، فرامین رسول اور ائمّہ کے ارشادات سے ثابت ہیں۔

نور کے لفظی معنی روشنی کے ہوتے ہیں جو ماہرین علم کلام کے بقول ایک عرض ہے (یعنی وہ جس کا وجود کسی غیر کی بدولت قائم ہو)، اور اجسام کو عارض ہوتا ہے (یعنی ان میں نمودار ہوتا ہے)۔ مختلف اعتبارات کے لحاظ سے نور کے کئی معنی ہوتے ہیں، جن میں سے بعض لفظی ہیں، بعض ذومعنی ہیں اور بعض بطور استعارہ استعمال ہوتے ہیں، مثلاً سورج کی روشنی، چاند کی روشنی، چراغ کی روشنی، علم کی روشنی، ایمان کی روشنی، عقل کی روشنی، ہدایت کی روشنی وغیرہ۔

مگر باری تعالیٰ پر ان معنوں میں نور کا اطلاق روا نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مخلوقات کی صفات ہیں، اور ان انوار کی ضد ظلمتیں بھی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے پاک ہے کہ اس کی کوئی ضد ہو، وہ تو منوّر الانوار (نوروں کو نور بنانے والا) ہے۔ اس لئے یہاں نور سے مراد اللہ تعالیٰ کا ایک بزرگ صفاتی نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بزرگ نام اسماء الحسنٰی کہلاتے ہیں جو لفظی نہیں بلکہ حقیقی اور زندہ ہیں۔ اور چونکہ خدا کا ایک صفاتی نام النّور ہے، اور اس نے خود کو اس نام سے موسوم کیا ہے، اس لئے باری تعالےٰ کو مجازاً اور انسانی عقل کی مجبوری کی وجہ سے اس بزرگ نام یعنی نور سے موسوم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

سیوطی نے ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضور کی ایک دعا درج ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اے اللہ --- تو زمین و آسمان اور جو ان میں ہے، انہیں نور عطا کرنے والا ہے (۴)، اس دعا میں اللہ تعالیٰ کو نور نہیں کہا گیا ہے، بلکہ نور عطا کرنے والا کہا گیا ہے، اور یہی درست تفسیر ہے، باری تعالیٰ نے مادی دنیا کو جسمانی انوار مثلاً

سورج، چاند وغیرہ کے ذریعے روشن کیا ہے، اور عالم انسانیت کو اولاً نور عقل سے نوازا، پھر علم اور ہدایت کا نور عطا کیا، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات کو ان کی حاجت اور خلقت کے تقاضوں کے مطابق نور عطا کرنے والا ہے، غیر عاقل مخلوقات کی ہدایت کیلئے اس نے بے شمار قوتوں کی صورت میں ملائکہ کو مقرر کیا ہے، جبکہ انسان کی معرفت کی جانب ہدایت کے لئے اس نے انبیاء و ائمّہ کو منتخب کیا ہے جو نور ہیں، اور اس کی خلافت کا عظیم فریضہ انجام دیتے ہیں، اور ان ہی کے ذریعے اس کی توحید کا نور اس کے بندوں تک پہنچتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی توحید کا نور نبوت اور ولایت (نور محمدی) کے ذریعے دنیا میں ہمیشہ موجود اور قائم ہے، اور یہی ہے اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین کا نور ہونا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے قول: اللّٰہ نور السّمٰوٰت و الارض۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مّصباح کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بیان کیا ہے، نبیؐ اور ائمّہ صلوات اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کی دلیلیں اور اس کی آیات میں سے ہیں جن کے ذریعے وہ لوگوں کی توحید، دین کی بھلائیوں، قوانین اسلام اور سنن و فرائض کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔(۵)

ب۔ مثل نورہ (اس کے نور کی مثال):

آیت کے اس حصے کی ایک مختصر تشریح گزشتہ سطور میں بھی گزری ہے، چنانچہ اس سے مراد نور نبوت ہے جس کا مظہر آنحضور صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اس لئے کہ باری تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے اعلیٰ ان ہی کی ذات ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (۱۶:۶۰) اور اعلیٰ ترین مثل اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ فی الحقیقت خدا کی کوئی مثل ہو نہیں سکتی، اس لئے کہ وہ بے مثل ہے، کوئی چیز اس کی مثل نہیں (۴۲: ۱۱)، تاہم اگر ہم حقیقت کی طرف راستہ حاصل کرنے کے لئے اس کے نور کی کسی مثل کے قائل ہو سکتے ہیں تو وہ اس کی وہ مخلوق ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ چونکہ آنحضور خداوند تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ ہیں، اور سب سے اول بھی ہیں، اس لئے نور محمدی کو خدا کے نور کی مثل کہنا بجا ہے، اس لئے کہ یہ مثلِ اعلیٰ ہے، اور اس سے اعلیٰ کوئی اور مثل موجود نہیں۔ پس آنحضورؐ کی ذاتِ با برکات (نور محمدی) خدا کے نور کی مثل ہے۔

ج۔ کمشکوٰۃ (طاق کی مانند):

طاق اس محراب دار ڈاٹ کو کہا جاتا ہے جو دیوار میں بناتے ہیں جس میں چراغ رکھا جاتا ہے اور جسے چراغدان بھی کہا جاتا ہے۔ ایک اعتبار سے اس سے آنحضورؐ کا قلب مبارک مراد ہے جو مصباح (چراغ) نبوت کا محل ہے، مگر قلب (دل) سے مراد وہ گوشت کا ٹکڑا نہیں جو سینہ میں ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد آپ کا نفس قدسی ہے جس میں نور توحید منور ہوتا ہے، اور جس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے۔ (۶)

حضرت امیر المومنین کا ایک ارشاد ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ: اَنَا مِصْبَاحُ الْهِدَايَةِ وَاَنَا مِشْكٰوةٌ فِيْهِ نُوْرُ مُصْطَفٰى۔ یعنی میں ہی ہدایت کا چراغ ہوں، میں ہی وہ مشکوٰۃ (چراغدان) ہوں جس میں مصطفیٰ کا نور ہے۔ (۷)

پس ایک اعتبار سے آنحضورؐ کی ذات مصباح (چراغ) نبوت کا چراغدان ہے، اور دوسرے اعتبار سے حضرت امیر المومنین آپ کے نور کے لئے مشکوٰۃ بن گئے، اس لئے کہ نور محمدی کا چراغ آپؐ کی وفات کے بعد بجھ نہیں گیا، بلکہ بمصداقِ نورٌ علیٰ نور جناب امیر المومنین کے قلب مبارک میں روشن ہوا، چنانچہ آپ بھی نور مصطفیٰ کے مشکوٰۃ بن گئے۔

د۔ فیہا مصباح (اس میں مصباح یعنی چراغ ہو):

چراغ اس لئے جلایا جاتا ہے کہ گھر کی تاریکی کو دور کرکے اسے روشن کیا جائے۔ اس سے مراد مصباح نبوت اور نور مصطفیٰ ہے جس کی تصدیق حضرت امیر المومنین کے مندرجہ بالا قول سے بھی ہوتی ہے۔ آنحضورؐ منصب نبوت کے اعتبار سے نور توحید پھیلانے والے چراغ ہیں جس کی تصدیق آیۂ سراج (۳۳: ۳٦) سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ کو سراج منیر یعنی روشن چراغ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ مصباح اور سراج مترادفات ہیں اور آنحضور نور نبوت کی بدولت مصباح اور سراج کے مصداق اور اس لقب سے ملقب ہوئے ہیں، اس لئے اس امر میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ نور محمدی یعنی نور نبوت آپ کے قلب کے طاق میں مصباح کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہ۔ المصباح فی زجاجۃ (چراغ شیشے کے فانوس یا قندیل میں ہے):

اس سے حضرت امیر المومنین علیؑ کا سینۂ مبارک مراد ہے جو مصباح نبوت و ولایت کی قندیل ہے۔ قندیل کی مندرجۂ ذیل تین خصوصیات ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ چراغ کے نور سے قریب ترین شے ہے، اور اس کے اور نورِ چراغ کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہیں ہوسکتی، اگر ایسا ہوا تو نور حجاب میں ہو گا اور اس کی روشنی سے بیرونی دنیا محروم رہ جائے گی۔ علی آنحضور سے جسمانی اعتبار سے بھی، تعلقات کے اعتبار سے بھی اور روحانی اعتبار سے بھی قریب ترین بلکہ متصل اور نور واحد تھے۔ جسمانی اعتبار سے آپ آنحضور کے عم زاد بھائی، داماد، وزیر، وصی، جانشین اور خلیفہ تھے، اور آپ کی اولاد حسنؑ اور حسینؑ کے والد تھے، اور روحانی اعتبار سے آپؐ نے انا و علی من نور واحد فرما کر علی کو اپنا نور قرار دیا۔ آپؐ نے علی ہی کے بارے میں فرمایا دمك دمی لحمك لحمی قلبك قلبی نفسك نفسی روحك روحی۔ تیرا خون میرا خون ہے تیرا گوشت میرا گوشت ہے تیرا دل میرا دل ہے تیرا نفس میرا نفس ہے تیری روح میری روح ہے۔ (۸) پس یہ آپؐ سے علیؑ کی قربت کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

دوم یہ کہ قندیل چراغ کی روشنی کو چاروں طرف منعکس کرتی ہے جس سے وہ مقام روشن ہوتا ہے جہاں چراغ ہو۔ پس نور اسلام کو پھیلانے میں گوئے سبقت لے جانے والے علی ہی تھے جس کا آغاز دعوت ذی العشیرہ سے ہوا تھا، اور پوری زندگی میں آپ کا مشن اسلام کی روشنی پھیلانا ہی رہا۔ جس طرح قندیل چراغ کی روشنی کو ہر طرف پھیلاتی ہے علی نے نور نبوت اور نور اسلام کو ہر طرف پھیلانے میں مرکزی کردار ادا کیا اور آنحضورؐ کے علم کے شہر کے دروازہ بنے۔ آپؑ کے علم کے بارے میں آنحضور کے بے شمار اقوال موجود ہیں جن کو طوالت سے بچنے کی خاطر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ آپؐ نے خود کو صاحب تنزیل اور علی کو صاحب تاویل

قرار دیا اور فرمایا کہ تمہارے درمیان وہ شخص موجود ہے جو قرآن کی تاویل پر جہاد کرے گا جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر جہاد کیا ہے۔

سوم یہ کہ شیشے کی یہ قندیل نور چراغ کی حفاظت کرتی ہے تاکہ باد مخالف اسے بجھانے کی جسارت نہ کرے۔ تاریخ پکار پکار کر کہتی ہے کہ مصباحِ نبوت کی حفاظت پہلے حضرت ابو طالبؑ نے کی۔ آپ نے حضرت عبد اللہ کے دُرّ یتیم کو قریش کے شر سے بچا لیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو یہ ذمہ داری ان کے فرزند علی ابن ابیطالب نے لی اور آخری دم تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔ لہٰذا آپ کے مصباح نبوت کی قندیل ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے، آپؑ نے خود ہی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپؑ مصباح نبوت کی قندیل ہیں : اَنَـا فَـرۡعٌ مِّنۡ فُـرُوۡعِ زَیۡتُـوۡنَ وَ قَنۡدِیۡلٌ مِّنۡ قَنَا دِیۡلِ النُّبُوَّةِ۔ یعنی میں زیتون کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہوں (جس کی خدا نے قرآن میں قسم کھائی ہے) اور میں نبوت کی قندیلوں میں سے ایک قندیل ہوں (کہ شمع رسالت کو آفات کی ہواؤں سے محفوظ رکھتا ہوں)(۹)

و۔ الزجاجة كانها كوكب درّیّ،(قندیل ایسی ہو کہ گویا چمکتا ہوا ستارہ) :

یہ نور توحید کی طرف اشارہ ہے جس سے مصباح نبوت و ولایت روشن رہتا ہے، اس کا مشاہدہ موسیٰؑ نے کوہ طور پر کیا تھا جو آپ کے لئے ایک درخت سے نمودار ہوا تھا اور ندا آئی تھی کہ میں ہی اللہ ہوں۔ حضرت علی علیہ السّلام کا ایک ارشاد ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اَنَـا نُـوۡرُ الَّذِی اقۡتَبَسَ مِـنۡـهُ مُوۡسیٰ فَهَدیٰ یعنی میں وہ نور ہوں جس سے موسیٰؑ نے روشنی

حاصل کی تب اسے ہدایت ملی (۱۰) اس کی تشریح آیندہ سطور میں بھی آنے والی ہے۔

ز۔ یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ (وہ زیتون کے با برکت (درخت) کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے) :

زیتون کا مبارک درخت شجر نبوت و و لایت کی مثال ہے جسے قرآن حکیم میں کلمۂ طیبہ اور شجر طیبہ بھی کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی جڑیں زمین میں محکم ہیں اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں (۱۴: ۲۴) اور تیل اس تائید کی مثال ہے جو روح القدس سے بطور علم لدنّی انبیاء و ائمّہ کے ساتھ ہمیشہ متصل رہتی ہے، کبھی منقطع نہیں ہوتی، جس سے راہ معرفت روشن رہتی ہے۔(۱۱)

ح۔ لا شرقیۃ وّلا غربیۃ (وہ نہ شرقی ہے نہ غربی) :

یعنی شجر نبوت و ولایت جس سے نور توحید جلوہ گر ہوتا ہے اپنی نورانیت میں سمت و جہت سے بے نیاز ہے۔ **المشرق والمغرب** جب مفرد ہوں تو اس سے جہت مراد ہوتی ہے۔ (۱۲) اسی طرح وہ زمان و مکان سے بھی بے نیاز ہے، اس لئے کہ جہت اور زمان و مکان تغیر اور کثرت کی علت ہیں، جبکہ نور توحید تغیر، کثرت اور جہت سے بے نیاز ہے (۱۳) لہٰذا وہ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔

نیز امام جعفر علیہ السّلام سے یہ بھی روایت ہے کہ زجاجہ حضرت امیر المومنین ہیں، اور درخت زیتون کا نہ شرقی اور نہ غربی ہونے سے مراد بھی آپؑ ہی ہیں، نہ یہودی اور نہ نصرانی۔

ط۔ یکاد زیتہا یضیءُ و لو لم تمسسہ نار (اس کا تیل خود بخود روشن ہو جاتا ہے اگرچہ اس کو آگ نہ بھی چھوئے) :

اس سے مراد یہ ہے کہ امرِ نبوت و ولایت تائیدی، وہبی، لدنّی اور عطائی ہے، اکتسابی نہیں، یعنی نبوت و امامت جد و جہد سے حاصل نہیں کی جاسکتی اور نہ اسے سیکھا جا سکتا ہے۔ اس بات کا ثبوت حکما کے اس قول میں بھی ملتا ہے کہ " جو شخص قدسی قوتوں کا حامل ہوتا ہے اسے کسبِ علم کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ محض التفات یا توجہ کے ذریعے وسیلۂ کسب اور طلب کی مشقت کے بغیر اس کے نفس پر معرفت کے تمام حقائق منکشف ہوجاتے ہیں، اس کی شہادت شریعت میں بھی موجود ہے اور وہ اہل ظاہر کا یہ قول ہے کہ علم لدنی کے مالک کو تمام علوم کا تعلّم بغیر واسطہ کے ہوتا ہے" (۱۴) حافظ نے اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے:

نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بہ غمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

ترجمہ: میرا محبوبؑ ایسا ہے کہ نہ مدرسہ گیا اور نہ لکھنا سیکھا، بس آنکھ کے ایک ہی اشارے سے سینکڑوں استادوں کے لئے راز حیات کے تمام سوال حل کردئے۔

آنخضور کے پاس دو رتبے تھے، ایک مرتبۂ نبوت اور دوسرا مرتبۂ ولایت، نبوت ظاہر ہے اور ولایت اس کا باطن ہے، چونکہ علی کا رتبہ مرتبۂ ولایت ہے اس لئے وہ بھی بے واسطہ اور بے حجاب مشاہدۂ حق میں آپ کے ساتھ شامل ہیں، اس معنی میں آپؑ نے فرمایا ہے: لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا۔ یعنی اگر پردہ ہٹ بھی جائے تو میرے یقین میں کوئی

اضافہ نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے ان کے نور ولایت کے سامنے معرفتِ کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ یکاد زیتها یضیءُ ولو لم تمسسه نار کی تشریح میں امام جعفرؑ صادق سے یہ بھی روایت ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آل محمد کے عالم (امام) کے منہ سے پیشتر اس کے کہ وہ کلام فرمائیں علم خود بخود ظاہر ہوگا۔(۱۵)

پس نبوت و ولایت کسبی نہیں عطائی ہے، اور زیتون کے با برکت درخت کے تیل کا خود بخود روشن ہونے سے یہی مراد ہے۔

ی۔ نورٌ علیٰ نور(نور بالائے نور ہے) :

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے ارشاد کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام (قیامت تک) ہوتا رہے گا۔ (۱۶) اور آنے والے امام کے اندر وہ تمام خصوصیات ہوں گی جو گزشتہ امام کے پاس موجود تھیں، اور یہی اس کی درست تعبیر ہے، الحمد لله علیٰ احسانه۔

ک۔ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے) :

یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ائمّہ کی جانب ہدایت کرتا ہے اور ان کے ذریعے اس کی رہنمائی کرتا ہے (۱۷) اس لئے کہ وہی اس کے نور کے مظہر ہیں۔" توحید صدوق میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: مشکوٰۃ رسول اللہ کے سینے میں نورعلم ہے، زجاجہ حضرت علی کا سینہ ہے اور نور علیٰ نور آل محمد میں سے ائمہٴ اطہار ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور نورعلم سے ان کی تائید کی گئی ہے۔ یہ

سلسلہ خلقت آدم سے اختتام عالم تک جاری ہے۔ یہ وہی اوصیاء ہیں جنہیں اللہ نے زمین میں خلفا قرار دیا ہے، بندوں پر انہیں اپنی حجت بنایا ہے اور زمین نہ کبھی ان کے وجود سے خالی تھی اور نہ کبھی خالی ہوگی"۔ (۱۸)

یہی ہے آیۂ نور کی ایک ایسی تشریح جو کلام خدا، فرامین رسول اور ارشادات ائمّہ سے ثابت ہے۔ الحمد لله علیٰ احسانه۔

۲۔ رسولؐ تاریکی سے نور کی طرف نکالنے والے ہیں:

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (۱:۱۴) یہ کتاب ہم نے تیری طرف اس لئے اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھروں سے نور کی طرف نکال کر زبردست لائق حمد اللہ کے راستے کی طرف (لے جاؤ)۔

اس آیۂ کریمہ میں ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو نازل کیا ہے، مگر کتاب بذاتِ خود لوگوں کو تاریکی سے نور تک نہیں پہنچاتی، تاریکی سے نور تک پہنچانے کی ذمہ داری رسولؐ کو دی گئی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے" تاکہ تو لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکال"۔ یہاں یہ نہیں بتا یا گیا کہ کتاب لوگوں کو تاریکی سے نور کی طرف نکالے گی، بلکہ آیت میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ تاریکی سے نور کی طرف لے جانے والے رسول ہیں۔ اس بات کی تصدیق اسی سورہ کی آیہ نمبر پانچ سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ارشاد ہے : وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ

قَوۡمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ (۵:۱۴) اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال، پس اندھیرے سے نور کی طرف نکالنے والے رسول ہوتے ہیں۔

یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ کہ ہر چند کہ قرآن میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ توراۃ میں نور ہے (۵: ۴۴) اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انجیل میں بھی نور ہے (۵: ۴۶) مگر یہ آیت پکار پکار کر کہتی ہے کہ لوگوں کو تاریکی سے نور تک پہنچانے کا فریضہ توراۃ نے نہیں موسیٰؑ نے انجام دیا ہے۔ اسی طرح گو کہ انجیل میں نور ہے، مگر نور کو لوگوں تک یا لوگوں کو نور تک پہنچانے والے عیسیٰؑ تھے۔ بعینہ قرآن بھی نور ہے، مگر قرآن کے نور تک لوگوں کو پہنچانے والے یا قرآن کے نور کو لوگوں تک پہنچانے والے آنحضورؐ تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مشکلات قرآن کو آنحضور کے بیان کے ذریعے ہی آسان کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے : فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا۔ (۱۹:۹۷) پس ماسوا اس کے نہیں کہ ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان کے ذریعے آسان کیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعہ سے ڈراؤ۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ (۴۴:۵۸) پس ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان کے ذریعے آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

پس قرآن کے نور تک مومنین کو پہنچانے والا اور مومنین تک قرآن کے نور کو پہنچانے والا ہادی ہے، وہ نور ہے اور اس کی ہدایت بھی نور ہے۔

سوال:

یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے، اور وہ یہ کہ قرآن تو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے بہت آسان ہے، یہ بات خود قرآن حکیم میں ہے، مثلاً سورۃ القمر میں مسلسل چار بار ارشاد ہوا ہے کہ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ (۵۴:۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰) اور یقیناً ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کردیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

جواب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن حکیم کو ناظرہ کے طور پر پڑھنا بہت آسان ہے، بلکہ اس قدر آسان ہے کہ اسے قرآن حکیم کے معجزات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے لفظی معنی اخذ کرنا بھی مشکل نہیں۔ ایک معمولی سمجھ بُوجھ رکھنے والا انسان جب کسی قابل استاد کی مدد سے قرآن حکیم کی چند سورتیں لفظی معنی کے ساتھ پڑھتا ہے تو چند کلمات کے استثنیٰ کے ساتھ پورے قرآن کو لفظی معنی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اس بندۂ عاصی کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ دس بارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار نے شروع کی تین چار سورتیں معنی کے ساتھ پڑھائیں، پھر (چند مستثنیات کے ساتھ) لفظی معنی کی چابی ہاتھ آگئی، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ یہ خطا کار علمِ قرآن کا ماہر بنا، قرآن فہمی واقعی بہت مشکل ہے، یہاں جس آسانی کا ذکر ہوا ہے وہ بھی قرآن کے معجزات میں شامل ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب کسی بھی زبان میں ایسی نہیں ہے کہ اس کی ایک تہائی یا ایک چوتھائی پڑھنے یا سمجھنے کے بعد باقی پوری کتاب کو پڑھا یا سمجھا جا سکے، با لخصوص اس صورت میں کہ زبان اور اس کا خط بالکل اجنبی ہو۔ یہ

خصوصیت صرف قرآن حکیم کی ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اور یہ اہل بصیرت کے لئے اس کتاب حکیم کا ایک معجزہ ہے۔

مگر یہ کتابِ حکیم مکنون (کان میں مخفی) بھی ہے۔ یہ اس قدر سطحی نہیں کہ ہر بغدادی قاعدہ پڑھنے والا اسے سمجھنے کا دعویٰ کرے، اور کہے کہ قرآن ذکر کے لئے آسان ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان علماء مشکلاتِ قرآن کے موضوع پر کتابیں لکھنے میں اپنی عمر گرانمایہ کو فنا نہ کرتے۔ جب ناظرہ اور تحت اللفظ سے آگے بڑھ کر کتاب حکیم کی حکمت اور آیات متشابہ کی رموز کی نوبت آتی ہے تو دنیا کے نکتہ سنجوں کی عقلیں مدھم، بلکہ تاریک ہو جاتی ہیں، اور یہی وہ مقام ہے جہاں ''ذکر'' اور ''اہل ذکر'' اور راسخون فی العلم یعنی معلم کتاب کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ان ہی کی مبارک زبان پر آسان کردیا ہے۔

یہاں اس اہم نکتے کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ **ذکـــر** آنحضور کے مبارک ناموں میں سے ایک ہے، جیسا کہ ارشاد ہے : قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۶۵:۱۰، ۱۱) یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر کو اتارا جو رسول ہے وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی واضح آیتیں پڑھتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک عمل کئے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔

یہ آیت پکار پکار کر کہتی ہے کہ رسولؐ ذکر ہیں جو مومنین کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کتاب ایک ایسی شمع کی مانند ہے جسے روشن نہیں کیا گیا ہے، اور نہ سلگانے والے

کے بغیر خود بخود سلگ کر روشن ہوتا ہے، بلکہ اسے ایک روشن کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس شمع کو روشن کرنے والے رسول ہیں جو کتاب کی شمع کو روشن کرتے ہیں، تب کتاب رسول کی تعلیم کی بدولت کتاب سے کتاب منیر (۳: ۱۸۴) بن جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر نور تو کتاب کے اندر موجود ہے، مگر نور کو لوگوں تک یا لوگوں کو نور تک پہنچانا رسول کی ذمہ داری ہے، اور رسول کے بعد ان کا جانشین یہی فریضہ انجام دیتا ہے، اس لئے کہ مؤمنین اس نور کے محتاج صرف رسول کے زمانے میں نہیں تھے بلکہ قیامت تک ہیں۔ اس لئے خدائے احکم الحاکمین نے رسولؐ کی پاک ذرّیّت کے ذریعے مؤمنین کے اس احتیاج کو رفع کیا۔ ارشاد باری ہے: وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً ۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۴۳:۲۸) اور اس (ابراہیم) نے اسے (یعنی نبوت و امامت کو) اپنی اولاد میں (تا قیامت) باقی رہنے والا کلمہ قرار دیا تاکہ وہ (ہر دور کے لوگ) رجوع کرتے رہیں۔

تفسیر صافی صفحہ ۴۵۵ پر بحوالۂ اکمال امام زین العابدین علیہ السّلام سے اور علل الشرائع میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے اور معانی الاخبار میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ یہ آیت ہماری [ائمّہ اہل بیت] کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ امامت قیامت تک اولادِ حسین میں باقی رہے گی، یہی مضمون المناقب اور مجمع البیان میں بھی ہے۔(۱۹)

صاحب تفسیر نمونہ کا کہنا ہے کہ مفسرین نے **فی عقبہٖ** کی تفسیر میں کئی احتمالات کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے رہتی دنیا تک حضرت ابراہیمؑ کی تمام ذرّیّت اور نسل سے اس کی تفسیر کی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ صرف

حضرت ابراہیمؑ کی قوم اور ان کی امامت سے مخصوص ہے۔ بعض نے آلِ محمد علیہم السّلام سے اس کی تفسیر کی ہے۔ لیکن جو بات واضح نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم وسیع اور عمومی ہے جو تا قیام قیامت حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر محیط ہے اور آلِ محمدؑ اس کے واضح اور روشن مصداق ہیں۔(۲۰)

پس معلوم ہوا کہ مؤمنین کو نور تک اور نور کو مؤمنین تک پہنچانے والے محمدؐ اور آل محمد ہیں، صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

۳۔ رسول کا نور اور امام کا نور :

ارشاد باری ہے: فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷:۱۵۷) پس وہ لوگ جو اس [رسولؐ] پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کو قوت پہنچائی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ نور سے مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔ اور کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد حضرت علی علیہ السّلام اور باقی ائمہ علیہم السّلام ہیں۔(۲۱) صاحب تفسیر نمونہ کا کہنا ہے کہ تفسیر برہان میں علی بن ابراہیم قمی سے منقول ہے النّور الّذی انزل معہ سے مراد حضرت امیر المؤمنین ہیں۔ نیز اس کی تائید حدیث اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ (میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں) سے بھی ہوتی ہے۔

گو کہ حضرات ائمہ کے ارشادات اس آیت کی تشریح کے لئے

کافی ہیں، تاہم یہاں ایک اور نکتے کی وضاحت خالی از فائدہ نہیں ہے، اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں خود قرآن کیلئے کہیں بھی لفظ نزول کے ساتھ مع (ساتھ، ہمراہ) کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ نزول کے مفہوم کے ساتھ لفظ مع تین بار آیا ہے۔ سورۂ بقرہ (آیہ ۲۱۳) اور سورہ حدید (آیہ ۲۵) میں گزشتہ انبیاء کے کتب کے ضمن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جب کہ زیر بحث آیت میں کتاب کے ساتھ نہیں بلکہ نور کے ساتھ مع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ بات اس حقیقت کو تقویت پہنچاتی ہے کہ یہاں نور سے مراد نور امامت ہے جو نور نبوت کے ساتھ ساتھ ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "میں نے علی کو ہر ایک نبی کے ساتھ پوشیدہ طور پر بھیجا ہے اور تیرے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر دونوں طرح"۔ (۲۲)۔ نیز آپ نے فرمایا علی منّی و انا منہ۔(۲۳) علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ پس نور امامت نور نبوت کے ساتھ ہے اور امام کا نور رسول کا نور ہے۔

۴۔ نور خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے :

ارشاد باری ہے: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (۲۴:۴۰) اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نور قرار نہ دے اس کے لئے تو کوئی نور ہی نہیں ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ نور اور نور کا وسیلہ اللہ تعالیٰ ہی مقرر کرتا ہے، اس کا اختیار انسانوں کے پاس نہیں ہے، اور اس نور کے ذریعے اپنے نور کیطرف رہنمائی کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف رہنمائی

کرتا ہے(۳۵:۲۴)، اور اپنے نور سے مراد نور توحید و ہدایت ہے جو نور نبوت و ولایت ہے، اور مومنین کو ہدایت کے ذریعے نور بنانا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ اس لئے اولیاء اللہ نے نور توحید، نور معرفت اور نور ہدایت کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ دعائے نور میں ہے جو امام جعفر صادق سے منسوب ہے :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ نُوْراً فِیْ قَلْبِیْ وَ نُوْراً فِیْ سَمْعِیْ وَ نُوراً فِیْ بَصَرِیْ وَ نُوْراً فِیْ لِسَانِیْ وَ نُوْراً فِیْ شَعْرِیْ وَ نُوْراً فِیْ بَشَرِیْ وَ نُوْراً فِیْ لَحْمِیْ وَ نُوْراً فِیْ دَمِیْ وَ نُوْراً فِیْ عِظَامِیْ وَ نُوْراً فِیْ عَصَبِیْ وَ نُوْراً بَیْنَ یَدَیَّ وَ نُوْراً فِیْ خَلْفِیْ وَ نُوْراً عَنْ یَّمِیْنِی وَ نُوْراً عَنْ یَّسَارِیْ وَ نُوْراً مِّنْ فَوْقِیْ وَ نُوْراً مِّنْ تَحْتِیْ.
اَللّٰھُمَّ عَظِّمْ لِیْ نُوْراً وَّ نِعْمَۃً وَّ سُرُوراً. (۲۴)

ترجمہ: ''بارِ اِلٰہا ! میرے دل، کان، آنکھ، زبان، بال، کھال، گوشت، خون، ہڈی اور رگوں میں نور جاری کر دے اور میرے آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے نور جاری کر دے، پروردگارا تو میرے لئے نور اور نعمت و سُرور کو زیادہ کر دے۔''

اس مبارک دعا میں اس بات کی تمنا ہے کہ مومن کا پورا وجود نور ہو، نور مومن کے وجود میں سرایت کرے، نہ صرف اس کی عقل و روح میں بلکہ اس کے جسم کے تمام اعضا میں بھی، اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ مومن علم، عمل اور طاعت کے ذریعے اپنا اختیار و ارادہ مالک کے اختیار و ارادے میں فنا کردے، جیسا کہ امام آقا سلطان محمد شاہ کا ارشاد ہے: آپ

خیال کریں کہ فنا ہوجائیں، جو چاہے اور کوشش کرے وہ وہاں پہنچ سکے گا، لیکن آپ کے گناہ آپ کو وہاں پہنچنے نہیں دیتے۔ ان گناہوں نے آپ کو قید خانے میں بند کر رکھا ہے۔(۲۵)

نیز حدیث قدسی میں آیا ہے کہ : یَا بَنِیْ اٰدَمَ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْكَ مِثْلِیْ حَیًّا لَّا تَمُوْتُ وَعَزِیْزًا لَا تَذِلّ وَغَنِیًّا لَا تَفْتَقِر. یعنی اے فرزند آدم! میری اطاعت کرو تا کہ میں تجھ کو اپنی طرح زندہ بناؤں گا، ایسا زندہ کہ تو کبھی نہ مرے، اور ایسا عزّت والا کہ کبھی ذلیل نہ ہو، اور ایسا غنی کہ کبھی مفلس نہ ہو۔(۲۶)

اسی طرح حدیث نوافل میں ارشاد ہے کہ: اور میرا بندہ نوافل(وہ عبادات جو فرض، سنّت اور واجب نہ ہوں، زائد عبادات جو شکرانہ کے طور پر ادا کی جائیں) کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔(۲۷) ظاہر ہے یہاں کان، آنکھ، ہاتھ، اور پیر بن جانا کوئی جسمانی فعل نہیں ہے بلکہ ان تمام اعضا کا نور کے تابع ہونا اور نور کا ان کو زیر اثر لانا مراد ہے، اور خدا کی طرف سے مومنین کے لئے نور مقرر ہونے کے یہی معنی ہیں۔

۵۔ نور اور رحمت :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰئِکَتُہٗ

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۴۳:۳۳) وہ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ تمھیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے۔

آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان مختلف قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہے، وہ خود ان تاریکیوں سے نکل نہیں سکتا۔ اس آیۂ کریمہ میں ایک بہت اہم نکتہ ہے، وہ یہ کہ آیت کا مفہوم اسطرح ہے کہ خدا کسی بھی شخص کو براہ راست اندھیروں سے نور کی طرف نہیں نکالتا، بلکہ قادر مطلق ہونے کے باوجود اس نے اندھیروں سے نور کی طرف نکالنے کا ایک قانون مقرر کیا ہے، اور وہ قانون ایک وسیلہ ہے، اور وہ وسیلہ الصَلاۃُ یا الصلوٰۃُ ہے، اور جب یہ لفظ مِن اللّٰہ (اللہ کی جانب سے) ہو، تو اس کے معنی رحمت کے ہوتے ہیں۔ پس صَـــلاۃ ایک رحمت ہے جو اس کی جانب سے مومنوں کے پاس آتی ہے۔ اور یہ رحمت ایک نور کی صورت میں آتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ رحمت کونسی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک نور کی صورت میں مومنوں کی طرف آتی ہے اور انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے۔سورۂ انبیاء کی آیت ۱۰۷ ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت جو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتی ہے، رسولؐ کی ذات بابرکات ہی ہے۔ جو چیز خود روشن نہیں ہوتی ہے وہ کسی اور کو منور نہیں کر سکتی، چونکہ آنخضورؐ خدا کی ایک اہم صفت النور کا مظہر اور نمایندہ ہیں، اس لئے وہ خود نور ہیں، چونکہ وہ خود نور ہیں لہٰذا جس شخص تک ان کی ہدایت، تعلیم، دعا اور فیض پہنچتا ہے وہ تاریکی سے نکل کر نور تک جا پہنچا ہے۔

اب خدا کے عدل اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کی یہ ہدایت، تعلیم، دعا اور فیض قیامت تک جاری رہے، تاکہ ان بے شمار لوگوں کو جو قیامت تک آنے والے ہیں، اور تاریکیوں میں ہوتے ہیں، نوبت بنوبت تاریکی سے نور کی طرف نکلنے کا موقع میسر آئے اور خدا کے عدل کا تقاضا پورا ہو۔ چونکہ اس نورِ رحمت کے مظہر کا جسمانی طور پر قیامت تک زندہ رہنا جسمانی موت و حیات کے قانون کے بموجب ممکن نہیں تھا، اس لئے باری تعالےٰ نے یہ نور ذرّیّتِ ابراہیمی میں کلمۂ باقیہ کی شکل میں قیامت تک باقی و جاری رکھا تاکہ لوگ نور حاصل کرنے کیلئے اس کی طرف رجوع کر سکیں، جیسا کی ارشاد ہے: وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۴۳:۲۸) اور اس (ابراہیم) نے اسے (نبوت و امامت کو) اپنی اولاد میں (قیامت تک) باقی رہنے والا کلمہ قرار دیا تاکہ وہ (ہر دور کے لوگ) رجوع کرتے رہیں۔

اس آیت کی تفسیر گزشتہ سطور میں بیان ہوئی ہے اس لئے یہاں اسے دہرانے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ تاہم یہاں اس قدر اضافہ کرنا لازم ہے کہ اس کلمۂ باقیہ کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم (آیہ ۲۴) میں کلمۂ طیبہ کے نام سے موسوم کیا ہے، اور اس کی صفت یہ ہے کہ وہ قائم و دائم ہے اور قیامت تک بر قرار ہے، ائمہؑ نے اس کلمۂ طیبہ اور شجر طیبہ کو شجرۂ نبوت و امامت کا نام دیا ہے، پس یہ کلمۂ باقیہ، کلمۂ طیبہ اور شجرۂ طیبہ نور کے اعتبار سے قیامت تک قائم و دائم ہے، پس خدا کی طرف سے مومنوں کے پاس رحمت نور کی شکل میں آتی ہے۔

۶۔ خدا کا نور بجھتا نہیں :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (۹:۳۲) وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھائیں اور اللہ تعالیٰ کو سوائے اس کے کچھ منظور نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے، اگر چہ کافر اسے ناپسند کریں۔

اس آیت میں بہت سے پر حکمت نکتے موجود ہیں۔ خدا کا نور اپنی اصلیت میں نہ کسی کو نظر آتا ہے نہ کوئی اسے بجھانے کی کوشش کرتا ہے، چونکہ وہ انسانوں کی دست رسی سے باہر ہے، اس لئے کوئی بھی اسے بجھانے کی کوشش نہیں کرتا، جب وہ انسانوں کے علم و نظر سے مخفی ہے تو پھر اسے بجھانے کی کوشش کرنے کا سوال محال بن گیا۔ مگر آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کے نور کو بجھانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کی کوشش بھی کرتے ہیں، اور خدائے تعالیٰ بھی ان کے ارادے کو ناکام بنانے کیلئے اپنے نور کو تمام کرتا رہتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ نور خدا کی ذات سے الگ کوئی شے ہے جسے وہ تمام کرتا رہتا ہے، اور اس کی حفاظت بھی کرتا ہے؟ اگر وہ اس کی ذات سے الگ کوئی شے نہیں تو اسے تمام کرنے کا سوال ختم ہوا، اس لئے کہ خدا کی ذات تمام ہے، اور جو تمام ہے اسے تمام نہیں کیا جا سکتا۔

بالفاظ دیگر اگر وہ اس کی ذات سے جدا کوئی شے نہیں بلکہ ہر لحاظ سے اس کی ذات کے ساتھ ایک ہے، اور خدا اسے تمام کرتا رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے بے نیاز خود کو تمام کرتا رہتا ہے، اگر ایسا

ہے تو اس کا مطلب (نعوذ باللہ) یہ ہوا کہ خدا کی ذات یا نور نا تمام ہے، مگر ایسا ہونا محال ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ خدا کے نور کا ایک ایسا ظہور دنیا میں موجود ہے جو لوگوں کی دست رسی میں ہے، اور وہ اسے مٹانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، چنانچہ خدا اپنے نور کے اس ظہور کو تمام کرتا رہتا ہے جسے اس نے اپنی ذات سے منسوب کیا ہے اور اپنا نور قرار دیا ہے۔ اور خدا کے نور کے اس ظہور کا نام دور نبوت میں نبوّت اور ہر زمانے میں امامت و ولایت ہے جسے لوگ دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہے۔ تفسیر صافی کے صفحہ ۲۰۶ پر لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کی حالت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوّت اور حضرت علی علیہ السّلام کی ولایت کو اپنی تکذیب کے ذریعے باطل کرنا چاہتے ہیں یا ان کے وجود کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں، اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی ہے جو ایک ایسے بڑے نور کو پھونک مار مار کر بجھانے کے در پے ہو، جس کی روشنی کو خود خدائے تعالیٰ انتہا تک پہنچانا چاہتا ہو۔(۲۸) پس یہ ایک ایسا واضح بیان ہے جس سے کوئی بھی ذیشعور انکار نہیں کرے گا۔

۷۔ نور ایک ہی ہے :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (۶۴:۸) پس تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل کیا۔

اس آیت میں خدا و رسول کے علاوہ ایک ایسے نور پر بھی ایمان

لانے کا حکم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ نور کونسا ہے؟

بعض علماء کے نزدیک نور سے قرآن حکیم مراد ہے، جبکہ جناب امام محمد باقر علیہ السّلام سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم النّور سے مراد تمام ائمّہ ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ امام کا نور مومنین کے دلوں میں اس سے زیادہ روشنی پہنچاتا ہے جس قدر چمکتا ہوا سورج دن میں پہنچاتا ہے۔ اور مومنوں کے دلوں کو ائمّہ علیہم السّلام ہی روشن کرتے ہیں، اور جن سے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کے نور پر پردہ ڈالدیتا ہے جس سے ان کے دل اندھیرے ہو جاتے ہیں اور اس سے ان کو ڈھانپ لیتا ہے۔(۲۹)

امام علیہ السّلام اور ان لوگوں کے قول میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے جن کا کہنا ہے کہ نور سے قرآن حکیم مراد ہے، مگر در حقیقت اس میں کوئی تضاد موجود نہیں ہے۔ کلام مجید میں ارشاد ہے کہ رطب و یابس (ہر خشک و تر) کتاب مبین میں ہے (۵۹:۶) اور اسی کتاب حکمت نظام میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ" اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں احصا کر رکھا ہے"(۱۲:۳۶) اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقام نزول یا خزائنِ خداوندی (۲۱:۱۵) میں کتاب مبین اور امام مبین یعنی نورِ قرآن اور نورِ امام ایک ہی حقیقت کا نام ہے، صرف امام اور قرآن ایک نور نہیں بلکہ اس میں اپنی نورانیت میں بحیثیت الکتاب (۲:۲۱۳) وہ تمام آسمانی کتابیں بھی شامل ہیں جو مختلف ادوار میں متعدد انبیاء پر نازل ہوئی ہیں اور ان تمام کتابوں کا کاملترین ظہور قرآن حکیم کی شکل میں ہوا ہے، جس طرح تمام انبیاء کے انوار کا کامل ترین ظہور

آنحضورؐ کی ذات اقدس میں ہوا ہے (اس کی وضاحت بعض نقوش کے ذریعے ہم نے اپنا ایک اور رسالہ کتاب الاختیار میں بھی کی ہے)، ظہور کے بعد ایک نے کتاب کی شکل اختیار کی اور دوسرے نے امام کا جامہ پہنا۔ایک امام مبین بنا اور ایک کتاب مبین جن سے نور توحید مومنین تک پہنچتا ہے۔ امام سلطان محمد شاہ کا ارشاد ہے: جماعت کے پاس ہم مرتضیٰ علی کے نور حاضر و ناظر بیٹھے ہیں، اس لئے آپ کو سچّا یقین رکھنا چاہئے۔ ہم اس دنیا میں جامہ پہنتے ہیں اور اتارتے ہیں، لیکن ہمارا نور ازل سے ایک ہی نور چلا آرہا ہے، اس لئے آپ کو ایک ہی نور دیکھنا چاہئے۔ آقا علی شاہ اور ہمارے دادا جان اور ان کے بزرگوں میں ایک ہی علی کا نور تھا، اور ہم میں بھی وہی نور چلا آرہا ہے۔ ہم ان کے گدّی کے وارث ہیں۔ نور ہمیشہ حاضر و ناظر ہے صرف نام الگ الگ ہوتے ہیں۔ مولانا مرتضیٰ علی کی گدّی قائم ہے، اور قیامت تک قائم رہے گی۔(۳۰)

تفسیر صافی کے صفحہ ۴۲۱ پر بحوالہ تفسیر قمی جناب امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ خدا کی قسم، وہ امام مبین میں ہوں، میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کردیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے بطور وراثت پایا ہے۔

احتجاج طبرسی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے ایک حدیث منقول ہے، آپ نے فرمایا اے گروہ انسان! کوئی علم ایسا نہیں جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو، اور میں نے علی کو نہ سکھا دیا ہو۔ اور جو علم بھی مجھے خدائے تعالیٰ نے سکھایا، یا اللہ تعالیٰ نے مجھ میں اس کا احصا فرما دیا اور میں نے امام المتقین یعنی جناب امیر المومنین میں اس کا احصا کردیا۔(۳۱)

ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے، آپ نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل فرمایا ہے، انھوں نے فرمایا کہ جس وقت یہ آیہ ''وکلّ شیءٍ احصینٰه فی امام مبین'' نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر و عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ کیا اس سے مراد تورات ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا، کیا انجیل ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا، کیا قرآن مراد ہے؟ فرمایا نہیں۔ اسی حالت میں امیرالمومنین علی علیہ السّلام رسول اللہؐ کی طرف آئے۔ جس وقت آپ کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا: ھوھذا انّه الامام الّذی احصی اللّٰه تبارك و تعالیٰ فیه علم کلّ شیٔ یعنی امام مبین یہ شخص ہے، یہی ہے وہ امام جس میں خداوند تعالیٰ نے ہر چیز کے علم کا احصا فرمادیا ہے۔(۳۲)

تفسیر علی بن ابراہیم میں عبداللہ ابن عباس کے واسطہ سے خود امیر المومنین سے بھی نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: انا واللّٰهِ امام مبین ابیّن الحق من الباطل ورثته من رسول اللّٰه ۔ یعنی خدا کی قسم میں ہی وہ امام مبین ہوں جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے، یہ علم میں نے رسول اللہ سے ورثہ میں حاصل کیا ہے۔(۳۳)

ان تمام روایات کی روشنی میں یہ بات شک و شبہ سے بالا تر ہوجاتی ہے کہ امام مبین سے نورِ امامت مراد ہے اور نورِ امام اور نورِ قرآن مقام نزول میں ایک ہی حقیقت کا نام ہے اور اسی کا نام لوح محفوظ بھی ہے، چنانچہ نورِ رسول، نورِ قرآن اور نورِ امام یعنی تینوں کے لئے انزلنا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مگر اس نور کا جب ظہورات کی شکل میں عالم امر سے عالم خلق میں نزول ہوا تو ایک امام مبین بنا اور دوسری کتاب مبین، اور اسی

معنی میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن ان لوگوں کے سینوں میں واضح آیات (نور) کی صورت میں ہے جن کو علم (نبوّت و امامت) عطا کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌم بَيِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۹:۴۹) بلکہ وہ (قرآن) ان لوگوں کے سینوں میں (نور کی صورت میں) واضح آیتیں ہیں جن کو علم (نبوت و امامت) عطا کیا گیا ہے۔

ابو بصیر نے حضرت امام محمد باقرؑ سے متذکرہ آیہ کریمہ کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ امام نے متذکرہ آیت کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: اے ابا محمد! اس آیت کا مقصود کیا ہے؟ تو میں نے عرض کی کہ میں آپ پر قربان جاؤں آپ بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو امام نے فرمایا: کہ ہمارے سوا کون ہو سکتے ہیں (جن کو علم عطا کیا گیا ہو اور جن کے سینوں میں قرآن مجید واضح آیات (نور) کی صورت میں موجود ہو)(۳۴)

پس نور ایک ہے جس کے ظہورات اور تجلیات ہیں۔

۸۔ نور اور برہان :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًاo فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۴:۱۷۴-۱۷۵) اے لوگو تحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (زور دار دلیل) آیا ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور نازل کیا۔ پس وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لا چکے اور انھوں نے اسی کو مضبوطی سے تھاما تو وہ انھیں عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔

اس آیت میں برہان اور نور کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: کہ نور سے حضرت علی علیہ اسّلام کی ولایت مراد ہے۔(۳۵)

یہاں یہ کہنا بھی درست ہے کہ نور سے آنحضور کی ذات گرامی بھی مراد ہے، اس لئے کہ آپؐ کے ارشاد ''انا و علی من نور واحد'' (میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں) علی کا نور محمد کا نور ہی تو ہے۔ تفسیر صافی صفحہ ۱۲۷ پر بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ برہان سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہیں اور نور سے حضرت علی علیہ السّلام۔

اور تفسیر قمی میں ہے کہ نور سے مراد حضرت علی علیہ السّلام کی امامت ہے اور اعتصام سے مراد ان کی ولایت سے تمسک کرنا۔

صاحب تفسیر نمونہ کا کہنا ہے کہ بعض مفسرین کہتے ہیں اور قرائن بھی گواہی دیتے ہیں کہ زیر نظر آیت میں برہان سے مراد پیغمبر اسلام کی ذات با برکات ہے اور نور سے مراد قرآن مجید ہے، جبکہ دوسری آیات میں بھی اسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تفسیر نور الثقلین میں علی بن ابراہیم اور مجمع البیان میں اہل بیت سے کئی ایک احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ لفظ برہان پیغمبر اکرم کے لئے ہے اور نور سے مراد علی ہیں۔ یہ تفسیر اوپر بیان کی گئی تفسیر کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ نور کا یہاں وسیع مفہوم ہو اور امیرلمومنین علی بھی، جو کہ قرآن کے محافظ، مفسر اور مدافع ہیں، اس میں شامل ہوں۔(۳۶)

ہمارا کہنا ہے کہ اپنی نورانیت میں برہان وہی کتاب مبین ہے، اور کتاب مبین امام مبین ہے، یہ نور کے ظہورات و تجلّیات ہیں۔ ظاہری کتاب

اور امام کی ذات ان آئینوں یا صاف و شفاف پانی کے ظروف (برتنوں) کی مثال ہیں جو سورج یا چاند کی روشنی کے سامنے رکھے ہوں۔ نور ایک ہی ہے، مگر عکس اتنے ہوں گے جتنے ظروف ہوں گے۔ یہ مثال امام مبین اور کتاب مبین کے بارے میں بھی درست ہے۔ اگر امام مبین اور کتاب مبین کو آفتاب کے طور پر لیا جائے تو ایسے مومنین کے قلوب (دل) ان ظروف کی مانند ہوں گے جو صاف و شفاف پانی کے ساتھ سورج کے سامنے رکھے گئے ہوں۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ نور ایک ہے مگر اس کے مختلف ظہورات اور تجلّیات ہیں۔ اور اس اعتبار سے مندرجہ بالا تمام وضاحتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

۹۔ نور اور کتاب مبین :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتٰبٌ مُبِينٌ ۙ يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّورِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيهِمْ اِلٰى صِرٰطٍ مُسْتَقِيمٍ (۵:۱۵-۱۶)

''یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے ان لوگوں کو جو اس کی رضامندی کی پیروی کرتے ہیں سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے تاریکی سے نور کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اس آیہ مقدسہ میں چند حکمتیں موجود ہیں جو حسب ذیل ہیں:

الف۔ آیت میں کتاب اور نور دو الگ الگ چیزوں کا ذکر ہے۔ تفسیر صافی صفحہ ۱۳۲ پر ہے کہ نور سے مراد محمدؐ ہیں اور کتاب سے مراد

قرآن مجید ہے، اور تفسیر قمی میں ہے کہ نور سے مراد حضرت علی علیہ السّلام اور باقی ائمّہ علیہم السّلام ہیں۔ (۳۷) پس نور سے مراد آنحضور ہیں جو اپنے زمانے میں بذات خود اور ہر زمانے میں اپنے جانشین ائمّہ کے ذریعے قیامت تک ہدایت کی روشنی پھیلانے والے ہیں، جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: خدا نے ہر پیغمبر کی نسل کو اس کے صلب میں قرار دیا اور میری ذرّیّت علی ابن ابیطالب کے صلب سے کیا (۳۸)، پس آپؐ کا نور بھی آپؐ کی ذرّیّت میں محفوظ ہے، اس لئے یہ کہنا بھی درست ہے کہ نور سے مراد حضرت علی اور ائمہؑ علیہم السّلام ہیں۔

ب۔ ہادی نور ہے اور ہدایت بھی نور یعنی روشنی ہے، جہاں ہدایت نہیں وہاں مختلف قسم کی تاریکیاں ہیں اور جہاں ہدایت ہے وہاں روشنی ہے۔

ج۔ کتابِ مبین سے قرآن حکیم مراد ہے جو دو اعتبارات سے مبین یعنی واضح، ظاہر اور روشن ہے۔ قرآن تنزیل کے اعتبار سے دوسری کتابوں کی طرح حروف و نقط میں لکھی ہوئی ایک کتاب ہے جو سب کے سامنے ہے، اس لحاظ سے یہ مبین یعنی ظاہر ہے۔

د۔ مگر یہ ظاہر محض نہیں ہے، یہ ایک حیثیت میں انتہائی مخفی اور پوشیدہ بھی ہے جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ [نورانی قرآن] کتاب مکنون یعنی پوشیدہ کتاب کے اندر [پوشیدہ] ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ ۙ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ۙ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (۵۶: ۷۷-۷۹) ”یقیناً وہ عزت والا قرآن ہے، جو پوشیدہ کتاب میں ہے، اسے کوئی نہیں چھوتا سوائے ان کے جو پاک کردئے گئے ہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں اسرار مخفی بھی ہیں جو مکنون یعنی اسطرح پوشیدہ ہیں جس طرح کان میں جواہرات چھپے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود کتاب کریم کو مبین یعنی ظاہر اور آشکار کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کتاب نور یعنی نبیؐ اور ان کے جانشین ائمّہ کے ذریعے جو کہ خود بھی مبین (۳۶: ۱۲) یعنی بیان کرنے والے ہیں بیان ہوجاتی ہے تو جسمانی ہدایت کے اعتبار سے بھی اور معرفت کے مقام پر بھی مومن کیلئے اس کے تمام اسرار واضح اور روشن ہوجاتے ہیں، اور قرآن کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْن (۵۸:۴۴)۔ پس ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان کے ذریعے آسان کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ چنانچہ قرآن ہادی کے نور اور بیان کی روشنی میں مبین یعنی ظاہر اور روشن ہو جاتا ہے۔

ہ۔ آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم (کی نورانی صورت) کو کوئی چھو نہیں سکتا سوائے ان کے جو پاک کردئے گئے ہیں۔

آیہ تطہیر (۳۳:۳۳) سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو پاک کر دئے گئے ہیں وہ صرف نبیؐ اور ان کی آل ہیں، چنانچہ قرآن کی باطنی صورت تک پہنچنے کے لئے نبیؐ اور آل نبیؐ کی ہدایت کی روشنی یعنی نور حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

و۔ آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کتاب اور نور ہر شخص کو راستہ نہیں دکھاتے، بلکہ یہ صرف ان لوگوں کو سلامتی کے راستے دکھاتے ہیں جو خدا کی رضامندی (رضوان) کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن سے نور حاصل کرنے سے پہلے خدا کی رضامندی معلوم اور حاصل

کرنے کی ضرورت ہے، اور خدا کی رضامندی سے اپنے دور میں رسولؐ ہی آگاہ ہوتا ہے، اور ہر زمانے میں رسول کا جانشین، اور وہی لوگوں کو خدا کے اذن سے عقلانی، روحانی اور اخلاقی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان و یقین کی طرف لے جاتے ہیں جہاں عقلانی، روحانی اور جسمانی سلامتی ہے، اور حیّنا ربّنا بالسّلام (اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ کر) کہنے کا یہی مطلب ہے۔

۱۰۔ وحی ایک زندہ شے ہے جو نور کی شکل میں ہے :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذَالِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا (۵۲:۴۲) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی، تو نہیں جان سکتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان۔ لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

وحی کی کئی قسمیں ہیں جن میں سب سے اوپر وحیِ رسالت و نبوت ہے جو خاص ترین ہے۔اس آیۂ کریمہ میں حکمت کی کئی باتیں پوشیدہ ہیں۔

اوّل یہ کہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ وحی نبوت و رسالت ایک زندہ شے ہے جو ایک روح کی شکل میں ہے۔ انبیاء کی وحی کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایک (بے جان) پیغام یا اطلاع یا اشارہ سے عبارت ہے۔ ہر چند کہ پیغام، اطلاع اور اشارہ وحی کے معنی کے دائرے سے باہر نہیں، مگر اسے محض ایک پیغام یا اطلاع قرار

دینا درست نہیں۔ قرآن عالم امر سے آنحضورؐ پر ایک زندہ روح کی شکل میں آیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: اوحینا الیك روحًا۔ پس اس روح کو اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کیلئے ایک نور قرار دیا جس کے ذریعے وہ لوگوں کی ہدایت کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ولٰکن جعلنٰه نوراً نهدی به من نشاء من عبادنا۔ لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہرچند کہ قرآن اپنی ظاہری شکل میں ایک کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے، مگر وہ باطنی اعتبار سے اب بھی لوح محفوظ یا امام مبین میں روح اور نور کی شکل میں موجود ہے۔ تفسیر صافی صفحہ ۴۵۴ پر بحوالۂ کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے روح ایسی مخلوق ہے جو عظمت میں جبرائیل اور میکائیل سے زیادہ ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ساتھ ہمیشہ رہی۔ اور آپ کو خبر پہنچاتی رہی اور صلاح دیتی رہی۔ ان کے بعد ائمّہ علیہم السّلام کے ساتھ رہی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے وہ روح آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر نازل فرمائی وہ پلٹ کر نہیں گئی، اور وہ ہم (ائمہ) میں موجود ہے۔(۳۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وحی حروف و نقط کی شکل اختیار کرنے سے پہلے روح کی صورت میں ہوتی ہے جسے باری تعالیٰ نے انبیاء اور ان کے اوصیا کے لئے ایک نور بنایا ہے جس کی روشنی وہ مومنین تک پہنچاتے رہتے ہیں جس کی تفصیل ذیل کی سطور میں بھی آئے گی۔

۱۱۔ مومنین کی دعا سے ان کا نور تمام ہوتا ہے :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (۸:۶۶) اس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ذلیل نہ کرے گا، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں ہاتھ چلے گا، وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار تو ہمارے لئے ہمارا نور کامل کردے اور ہمیں بخشدے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں دو اہم نکتے موجود ہیں جن کی وضاحت لازم ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ مومنین کی روحانی اور اخروی مدد کیلئے باری تعالیٰ کی طرف سے ایک نور مقرر ہے جو ان کی بلندیٔ درجات کے لئے سعی کرتا رہتا ہے جیسا کہ ایک مشفق و مہربان باپ اپنی اولاد کی بہتری اور ترقی کے لئے دن رات سعی کرتا رہتا ہے۔ اور یقیناً پیغمبر اور امام مومنین کے روحانی ماں باپ ہیں جیسا کہ آپؐ نے حضرت امیرالمومنین کو مخاطب کرکے فرمایا: اَنَا وَ انۡتَ يَا عَلِىُّ اَبوا هٰذِهِ الۡاُمَّةِ لَعَنَ اللّٰهُ مَنۡ عَقَّ وَالِدَيۡهِ۔ اے علی میں اور آپ اس امت کے والدین ہیں، خدا کی لعنت ہو اس شخص پر جو ماں باپ کی نافرمانی کرے۔(۴۰)

دوسرا یہ کہ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ مومنین اس نور کے ذریعے اپنے نور کی تکمیل کی استدعا کرتے ہیں اور اس کے وسیلے سے اپنے گناہوں کی مغفرت بھی چاہتے ہیں۔

تفسیر صافی صفحہ ۵۰۵ پر بحوالۂ تفسیر مجمع البیان امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ قیامت کے دن ائمّہ علیہم السّلام مومنین کے آگے اور ان کے داہنے ہاتھ سعی فرماتے ہوں گے، تا اینکہ ان کو جنّت میں ان کے مکانوں پر پہنچا دیں گے۔ تفسیر قمی میں بھی تقریباً یہی مضمون وارد ہے، اور امام محمد باقر علیہ السّلام سے اتنا اور زیادہ ہے کہ جس کو اس دن نور حاصل ہوگیا اس نے ضرور نجات پائی۔ اور کوئی مومن ایسا نہ ہوگا جسے اس دن نور حاصل نہ ہو۔(۴۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ: مومن نور کے پانچ مقامات میں بہرہ حاصل کرتا ہے۔ اس کے داخل ہونے کی جگہ نور ہے، اس کے باہر نکلنے کی جگہ نور ہے، اس کا علم نور ہے، اس کا کلام نور ہے اور اس کا جنّت کی طرف پلٹ کرجانا نور ہے۔(۴۲) حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ کا ارشاد ہے: اسماعیلی دین نور کی مثال ہے، آپ نور کی مثال بنیں، آگ کی طرح نہ بنیں(۴۳) نیز آپ نے فرمایا: مومن کا دل ہمیشہ نورانی ہے۔(۴۴)

۱۲۔ نور اور آل محمدؐ :

ارشاد باری ہے: اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ط وَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (۲: ۲۵۷) اللہ تعالیٰ سرپرست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لا چکے، وہ انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہوگئے ان کے سرپرست طاغوت ہیں، وہ انہیں نور سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے آتے ہیں۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ نور سے مراد آل محمد ہیں اور ظلمات سے مراد ان کے دشمن ہیں۔(۴۵)

یہاں اس بات کی تھوڑی سی وضاحت لازمی ہے کہ ظلمات سے کیا مراد ہے۔ ظلمت تاریکی اور اندھرا کو کہا جاتا ہے اور ظـلـمات، ظلمت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں تاریکیاں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تاریکی نور کی طرح ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں نور یعنی روشنی کے لئے واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے، چونکہ اس کا منبع اور سرچشمہ ایک ہی ہے، جبکہ تاریکی کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔

تمام تاریکیوں کی جڑ جہل ہے، جہل سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں، قدیم حکما نے جہل مرکب کو لاعلاج مرض قرار دیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ جدید ماہرین نفسیات نے اس کا کوئی علاج دریافت کیا ہے، مگر باور نہیں آتا، وہ دریافت کریں گے بھی کیسے اس لئے کہ اس جہل کا مریض خود کو مریض ہی نہیں سمجھتا، بلکہ وہ اپنے آپ کو پہلوان سمجھتا ہے، اس لئے وہ علاج کی طرف رجوع ہی نہیں کرتا، اس لئے یہ سب سے خطرناک تاریکی ہے، اور انبیاء و ائمّہ اس کے خلاف ہمیشہ برسر پیکار رہے ہیں۔

کفر اور شرک بھی تاریکیاں ہیں، مگر غور سے دیکھا جائے تو کفر جہل کا نتیجہ ہے، عربی میں کَفَرَ الشّی کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو چھپانا، جاہل حق کو چھپاتا ہے، اَلـجَهْلُ عَلیٰ عِلْمِ فُلَانٍ، کے معنی ہوتے ہیں جہل کا علم پر غالب آنا۔ کافر اس وقت حق سے انکار کرتا ہے جب اس کا جہل اس کے علم پر غالب آتا ہے، کوئی بھی شخص صحیح معنوں میں حقیقت سے آگاہ

ہونے کے بعد کفر نہیں کرتا، اگر کفر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے علم پر اس کا جہل غالب آیا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ شرک کا بھی یہی حال ہے، مشرک شرک کی خرابی سے واقف نہیں ہے، اگر وہ شرک کی برائی سے آگاہ ہوا تو کبھی شرک نہیں کرے گا۔ سقراط کا تمام تر اخلاقی اور نفسیاتی فلسفہ یہی تھا کہ شر وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں علم نہ ہو۔ اس فلسفے کو افلاطون نے ایک ہی قضیے میں خلاصہ کیا ہے، یعنی ”علم ہی خیر ہے“ پس جہل کفر اور شرک کی جڑ ہے۔ کفر سے ایمان کا راستہ تاریک ہو تا ہے اور شرک سے یقین کا راستہ اندھیرا ہوجاتا ہے، اور کافر اور مشرک دونوں نور توحید سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کفر اور شرک تاریکیاں ہیں جنہیں صرف نور ہدایت سے روشن کیا جا سکتا ہے۔

شیعی کتب میں ایک بہت مشہور حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص مرا اور اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا وہ جہل کی موت مرا۔ یہی حدیث چند الفاظ کے فرق کے ساتھ اہل سنّت کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ یہاں مرنے سے مراد جسمانی موت نہیں ہے، بلکہ ہادی کی ہدایت سے محروم رہنا ہے، اسلئے کہ ہدایت ہی حقیقی زندگی ہے ناصر خسرو نے اس معنی میں فرمایا ہے:

تخم هر معصیت ای پور پدر جهل است
نارد این تخم بری، جز که همان عصیان

ترجمہ: اے میرے بیٹے ہر گناہ اور نافرمانی کا بیج جہل ہے، اس بیج کا پھل گناہ اور نافرمانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔(۴۶)

مرگ جهل است و زندگی دانش

مرده نادان و زنده دانایان

ترجمہ: جہل موت ہے اور علم زندگی ہے، نادان (جسمانی زندگی کے باوجود) مردہ ہے، اور دانا (لوگ جسمانی موت کے باوجود) زندہ ہیں۔

جهل مانند" نیست" و علم چو "هست"

جهل چون درد و علم چون درمان

ترجمہ: جہل نیستی یعنی عدم کی مثال ہے (اور عدم سب سے بڑی تاریکی ہے)، اور علم ہستی یعنی وجود کی مثال ہے جو نور ہے)، جہل درد کی مانند ہے اور علم دوا کی مانند ہے۔

هست ماند به علم، دانا مرد

نیست گردد به جاهلی، نادان

ترجمہ : علم کی بدولت دانا انسان ہمیشہ ہست یعنی زندہ رہتا ہے، اور نادان اپنی جہالت کی وجہ سے نیست ہوتا ہے۔(۴۷)

اور یہ بات اس آیۂ مبارکہ میں ہے: ارشاد خداوندی ہے: یٰـاَیُّهَـا الَّـذِیـنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیكُمْ (۸:۲۴) اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جس وقت رسول تمہیں کسی بات کی طرف دعوت دے تاکہ تمہیں زندگی بخشے تو اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول کا حکم مانو۔

اس آیت میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ رسول اپنی دعوت کے ذریعے ہی لوگوں کو حیات سرمدی سے ہمکنار کرتا ہے، اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں جو یہ قول مشہور ہے کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے، اس کے کئی معنوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپؑ جہل کی موت مرے ہوئے لوگوں

کو دمِ دعوت سے زندہ کرتے تھے، اور یہی کام ہر نبی اور ہر امام برحق کرتا ہے۔

تکبر ایک رسوا کرنے والی تاریکی ہے۔ حرص بھی ایک تاریکی ہے اور شہوت بھی ایک تاریکی ہے، اور بقول مولانا رومی یہ دونوں انسان کو احول یعنی بھینگا بنا دیتی ہیں۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ غصّہ جب عقل پر چھا جاتا ہے تو انسان کا پورا وجود سیاہ رات میں بدل جاتا ہے، حسد ایک موذی تاریکی ہے جو نہ صرف حاسد کی عقل کو تاریک بنا دیتی ہے بلکہ اس کے وجود کو بھی کھا جاتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ تاریکیوں کی فہرست بہت طویل ہے جسے یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں، یہ ’’سمندر میں اندھیروں کی مانند ہیں جسے ایک لہر ڈھانپ لیتی ہے اس کے اوپر ایک اور لہر ہو، اس کے اوپر بادل ہو، اندھیرے ایک دوسرے کے اوپر ہوں‘‘ (۲۴:۴۰)، اسی لئے قرآن میں تاریکی کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اب اس صورت میں ’’جس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نور قرار نہ دے اس کے لئے تو کوئی نور ہی نہیں ہے (۲۴:۴۰)۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے والا اور روحانی زندگی بخشنے والا ہادی ہے، ہادی اپنے زمانے کا رسول ہے، اور اس کی ہدایت نور ہے۔ چونکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے ہدایت کا یہ عظیم منصب خدا و رسول کی طرف سے آلِ محمد کے سپرد ہے، اس لئے آلِ محمد نور ہیں، وہ ہدایت کی روشنی پھیلاتے ہیں اور جہالت کے مردوں کو اپنی دعوت کے ذریعے زندگی بخشتے ہیں اور ان تمام تاریکیوں کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس نور سے روشنی

حاصل کرتے ہیں اور بعض اسے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی حفاظت کی ذمہ داری خود ہی لی ہے۔

۱۳۔ نور چھین لینے سے کیا مراد ہے؟

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ** (۲:۱۷) ان (کافروں) کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے روشن کردیا ہر اس شے کو جو اس کے ارد گرد ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی چھین لی، اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

اس آیت میں باری تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثال بیان کی ہے جو خدا کی معرفت انبیاء و ائمہ کے توسط سے حاصل کرنے کے بجائے اپنی عقل جزوی کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عقل خداوند تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے سب سے بڑا عطیہ اور سب سے بڑی نعمت ہے اور خدا کی معرفت کی تلاش انسانی عقل کے اندر ہی ودیعی طور پر موجود ہے، ناصر خسرو کا کہنا ہے کہ دین حق میں ایسا ہے کہ جو عقل کو استعمال کرتا ہے وہ دانائی کے ساتھ خدا کی عبادت و پرستش کرتا ہے اور ابدی ثواب تک پہنچ جاتا ہے، اور جو شخص عقل کو ضائع کرتا ہے اور بے عقلی سے کام کرتا ہے وہ دائمی آگ تک پہنچ جاتا ہے(۴۸)، مگر راہ معرفت میں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اسے (عقل کو) انبیاء و ائمہ کی ہدایت کی کلّی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے، اور عقل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو

اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ وہ محتاج ہدایت و تعلیم ہے، اور ہدایت اور تعلیم ہی کے ذریعے وہ حد قوت سے حد فعل میں آتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کی طرف ہدایت کے ساتھ ہادی اس لئے آتا ہے کہ وہ عاقل ہے، اور ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، ورنہ حیوان کی طرف ہادی کہاں آتا ہے۔

کوئی بھی انسان قوت شہوی اور قوت غضبی کی گرفت سے آزاد نہیں ہے جو بذات خود انسانی وجود کے اندر دو طاقتور ظلمتیں (تاریکیاں) ہیں۔ اسلام کی اسماعیلی تشریح کے مطابق عقل انسان کی طرف ایک قسم کی ابتدائی وحی ہے جسے ناصر خسرو نے وحی ضعیف کہا ہے۔ وہ ضعیف ہے، اس لئے کہ وہ جزوی ہے اور معرفت کے ضمن میں بحد قوت ہے جسے حد فعل میں لانے کے لئے اسے کلّی عقل کی ہدایت کی روشنی کی حاجت ہے۔ پس جب انسانی عقل نور ہدایت کے بغیر معرفت کا قصد کرتی ہے تو اس کے اندر جگنو کی روشنی کی طرح ایک محدود بصیرت پیدا ہوجاتی ہے جسے اضاءت ما حوله کہا گیا ہے۔ اس حالت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایک اور مثال میں مزید ارشاد ہے: **كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا** (۲:۲۰) جب اس نے ان کے لئے روشنی کی تو وہ اس روشنی میں چلنے لگے اور جب ان پر اندھیرا ہوگیا تو وہ کھڑے ہوگئے (رک گئے)۔

ناصر خسرو کا کہنا ہے کہ: اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو خدا کی کتاب کے معنی آل محمد کے توسط سے معلوم کرنے کی بجائے اپنی رائے کے مطابق تلاش کرتے ہیں۔ جب محکم آیات کے معنی سمجھ لیتے ہیں تو ان میں دوڑتے ہیں، مگر جب کوئی مشکل متشابہ آیت سے دوچار ہوتے ہیں تو

رہ جاتے ہیں، یعنی اسے سمجھنے سے عاجز آتے ہیں، پس **و اذا اظلم علیهم قاموا** کا مطلب یہی ہے۔(۴۹)

ایسا شخص جب راہ معرفت پر آگے جانے کی کوشش کرتا ہے تو روحانی ظلمتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، اس لئے کہ خدا کے روشن کئے ہوئے آفتاب عالم تاب سے نور حاصل کرنے کی بجائے یہ روشنی اس نے خود پیدا کی ہے۔ خدا کی معرفت کا راستہ اس وقت روشن ہوتا ہے جب عقل انبیاء اور ائمّہ کی ہدایت سے روشنی حاصل کرتی ہے۔ سیدنا حسن صبّاح نے اسی لئے کہا تھا کہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف عقلِ جزوی کافی نہیں ہے۔

۱۴۔ نور اور اجر :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِا اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ** (۱۹:۵۷) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ ان کے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کا اجر اور ان کا نور انہی کے لئے ہوگا۔

اس آیۂ کریمہ میں یہ بات صاف طور بتائی گئی ہے کہ اجر کی طرح نور بھی ایک حقیقت اور عطیۂ خداوندی ہے جو صدیقین اور شہداء کو ملنے والا ہے، تاہم نور حاصل کرنے کیلئے صدیق اور شہید کا مقام معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ صدیقین، شہداء اور صالحین ائمّہ ہی ہیں جس کی وضاحت ہم نے اپنے ایک اور رسالے (کتاب الہدایۃ، ص ۴۔۶) میں بھی کی ہے۔

البتہ ان کے پیرو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کے نتیجے میں ان کے توسط سے یہ مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

تفسیر صافی صفحہ ۴۹۰ پر بحوالۂ التہذیب امام زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ، یہ آیت ہمارے اور ہمارے پیروکاروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور المحاسن میں امام حسین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ہمارے پیروکاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو صدیق اور شہید نہ ہو، اس پر پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ ان میں سے اکثر اپنے اپنے بستروں پر ہی مر جاتے ہیں۔آپ نے فرمایا کیا تم سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا نہیں پڑھتے: **و الّذین اٰمنوا با اللّٰہ و رسلہ اولٰئك هم الصدیقون و الشهداء عند ربّهم** ۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ اگر شہید ویسے ہی ہوتے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں، تو شہید بہت ہی کم ہوتے۔

اور الخصال میں جناب امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ہمارے پیروکاروں میں سے جو مر جائے وہ صدیق ہے، اس لئے کہ اس نے ہمارے امر کی تصدیق کی اور اس نے جس سے دوستی کی ہماری وجہ سے کی، اور جس سے دشمنی کی ہماری وجہ سے کی، اس سے اس نے اللہ کو مد نظر رکھا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، پھر حضرت نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔(۵۰)

۱۵۔ نور اور شرح صدر : (الف)

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ** (۲۲:۳۹) پس کیا وہ شخص (خوش نصیب نہیں) جس کا

سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا، پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے۔(۵۱)

اس آیت کا ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے: کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کردیااور وہ نور الٰہی کے مرکب پر سوار ہے (ان لوگوں کی طرح ہے جن کے دل میں نور ہدایت داخل نہیں ہوا)(۵۲)

آیۂ کریمہ میں یہ تعلیم موجود ہے کہ سینے میں نور داخل ہونے کے لئے شرح صدر، یعنی سینہ کھل جانے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہاں اس بات کی وضاحت ہونی چاہئے کہ شرح صدر یعنی سینہ کھل جانے سے کیا مراد ہے؟

قرآن حکیم میں کل پانچ مقامات پر شرح صدر یعنی سینہ کھل جانے یا کھول دینے کا ذکر ہے، اور یہ اہم قرآنی اصطلاحات میں سے ایک ہے۔ ان پانچ مقامات میں سے سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا سینہ کفر کیلئے کھل جاتا ہے اور وہ غضبِ خداوندی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

سورۂ انعام کی آیت ۱۲۵ میں ارشاد ہے کہ: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (۱۲۵:۶) پس جس شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت کرے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ کی آیت ۲۰ میں حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا درج ہے کہ: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ (۲۵:۲۰) اے میرے پروردگار میرے لئے میرا سینہ کھول دے، اسی طرح سورۂ انشراح میں آنحضور کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۱:۹۴) کیا (اے رسول) ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔

ان تمام آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ شرح صدر گویا روحانیت اور معرفت کا دروازہ ہے جو انبیا و اولیاء کیلئے کلّی طور پر ہوتا ہے اور مومنین کیلئے بقدر علم و عمل اور زہد و تقویٰ جزوی طور پر ہوتا ہے، اور انبیاء شرح صدر کی بدولت مقام معراج پر فائز ہوجاتے ہیں۔ جب تک کسی نہ کسی مرحلے پر شرح صدر نہ ہو روحانیت اور معرفت کا دروازہ نہیں کھلتا۔ مندرجۂ بالا آیۂ فمن یرد اللّٰہ ... للاسلام (۱۲۵:۶) کے معنی اور شرح صدر کی حقیقت کے بارے جب رسول اللہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے۔(۵۳)

اب ہم ذیل کی چند سطور میں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ شرح صدر سے کیا مراد ہے جو دل میں نور داخل ہونے کے لئے ضروری ہے۔

حکیم ناصر خسرو سے منسوب ایک کتاب ہے جس کا نام روشنائی نامہ ہے۔ اس کتاب میں اس موضوع پر بعض نہایت پر مغز اشعار پائے جاتے ہیں۔

حکیم ناصر پہلے یہ بتاتے ہیں کہ انسان کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسانی جسم ایک طلسم یا زندان کی مانند ہے جس میں روح مقید ہے، امام سلطان محمد شاہ نے اس مطلب کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے:

> ''روح بدن میں ہے، وہ قید خانے میں ہے، مومن پر واجب ہے کہ قید خانے میں سے روح کو نکال کر اچھی جگہ پر رکھے، اور روح جب تک بدن میں ہے تب تک قید خانے میں ہے''۔(۵۴)

ناصر کا کہنا ہے کہ انسان اس صورت کا نام نہیں ہے جو ہم اپنی

جسمانی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، بلکہ اس کے اندر ایک عظیم حقیقت مخفی ہے جس میں عجائبات ہی عجائبات ہیں، امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

دَوَائُكَ فِیْكَ وَ مَا تَشْعُرُ
وَ دَائُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ

ترجمہ: تیری دوا تیرے ہی پاس ہے اور تجھ کو خبر نہیں، اور تیری بیماری بھی تجھ ہی سے پیدا ہوئی ہے اور تو اسے دیکھتا نہیں۔

وَ تَحْسَبُ اَنَّكَ جِرْمٌ صغیرٌ
وَفِیْكَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ

ترجمہ: اور تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے، حالانکہ تجھ میں عالم اکبر سمیٹا ہوا ہے۔

وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِیْنُ اَلَّذِی
بِاَحْرُفِهٖ یَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

ترجمہ: اور تو ہی وہ بولنے والی کتاب ہے جس کے حروف سے پوشیدہ راز ظاہر ہوتے ہیں۔

فَلَا حاَجَةَ لَكَ فِیْ خَارِجٍ
یُخَبِّرُ عَنْكَ بِمَا سُطِّرُ

ترجمہ: تجھے باہر سے کسی شخص کی ضرورت نہیں کہ وہ تیری ذات میں لکھی ہوئی باتوں کی تجھے خبر دے۔(۵۵)

ناصر خسرو کا کہنا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ بصیرت کی آنکھ کھول دے اور ان عجائباتِ روح کا مشاہدہ کرے، جو شخص انسان کو جسم سمجھتا ہے وہ نادان ہے، انسان جان کا نام ہے، مگر جان سے مراد وہ جان

نہیں جو حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے، جان سے مراد وہ روح ناطقہ ہے جو روح القدس کا رفیق ہے۔ چونکہ وہ روح القدس کا رفیق ہے اس لئے اس کی حقیقت اور اس کا معنوی حسن سَر کی آنکھ سے نظر آنے والا نہیں، بلکہ اس کا نظارہ کرنے کے لئے چشم باطن کی ضرورت ہے، پیر فرماتے ہیں:

ز بهر دیدنِ جانت همی چشم دگر باید
که بی لون است، چشم سَر نبیند جز همه الوان

ترجمہ: اپنی روح کا مشاہدہ کرنے کے لئے تجھے ایک دوسری آنکھ (چشمِ باطن) کی ضرورت ہے، اس لئے کہ روح بے رنگ ہے، اور سَر کی آنکھ رنگوں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتی ہے۔(۵۶)

صفت هایت صفت های خدائی ست
ترا این روشنی زان روشنائی ست

ترجمہ: تیری صفات خدا کی صفات ہیں، اور تجھے جو روشنی علم و معرفت کی صورت میں ملی ہے اس کا تعلق خدا کے نور کی روشنی سے ہے۔

همی بخشد کزو چیزی نکاهد
ترا داد و دهد آن را که خواهد

ترجمہ: وہ تجھے اپنے نور کی روشنی عنایت کرتا رہتا ہے، مگر خود اس کے نور میں کوئی کمی نہیں آتی، تجھے یہ روشنی اس نے عنایت کی ہے اور دوسروں میں سے بھی جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔

ز نور او تو هستی همچو پر تو
وجود خود بپرداز و تو او شو

ترجمہ: تو اس کے نور سے عکس کی مانند ہے، اپنے وجود کو خالی کردے اور تو وہ (خدا) ہوجا (یعنی خدا میں فنا ہو جا)۔

حجابت دور دارد گر نه جوئی

حجاب از پیش برداری تو اوئی

ترجمہ: اگر تو اسے ڈھونڈتا نہیں تو تیرے وجود کا پردہ تجھے اس سے دور رکھے گا، اگر تو اپنے وجود کے پردے کو سامنے سے ہٹا دے تو (مقام فنا میں) تو خود ہی وہ (خدا) ہے۔

ز دنیا تا به عقبیٰ نیست بسیار

ولی در ره وجود تُست دیوار

ترجمہ: دنیا سے آخرت تک کچھ زیادہ مسافت نہیں، مگر بیچ میں تیرے اپنے وجود کی دیوار حائل ہے۔(۵۷)

ان تمام اشعار کا تعلق خود شناسی کے موضوع سے ہے جو شرح صدر کے لئے ضروری ہیں، امام سلطان محمد شاہ حضرت علی کے ایک مشہور ارشاد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جب اصل کی خبر نہ ہو تو کیا فائدہ، مرتضیٰ علی نے فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا گویا اس نے خدا کو پہچانا [من عرف نفسه فقد عرف ربّه]،۔۔۔ آپ روح کو دیکھنے کی کوشش کریں۔(۵۸)

خود شناسی کے معنی یہ ہیں کہ انسان معرفت کی نظر حاصل کرے جسے چشم باطن بھی کہا جاتا ہے۔ چشم باطن یا معرفت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے پیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری اور باطنی حواس دیا ہے۔ یہ دنیا ایک گلشن کی مانند ہے اور انسان کے یہ پانچ ظاہری اور پانچ باطنی حواس اس گلشن میں کھلنے والے دروازوں کی مثال ہیںجن کے ذریعے وہ گلشنِ کائنات کی عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ مگر یہ حواس محتاج تربیت

ہیں، جب ان کی تربیت نہیں ہوتی ہے تو یہ راست بین بننے کی بجائے خطابین بن جاتے ہیں۔ جب انھیں تربیت اور ریاضت کے ذریعے راست بین بنایا جاتا ہے تو انسان کے لئے شرح صدر ہوتا ہے، یعنی معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے، فرماتے ہیں:

خطا بینند از این پنج گانه

توانی راست بین شان کرد یا نه

ترجمہ: اگر یہ پانچ حواس خطا بین یعنی غلط دیکھنے والے ہیں، تو کیا تو ان کو صحیح دیکھنے والے بنا سکتا ہے کہ نہیں؟

ریاضت کش مراین را راست بین کن

پس آنگاهی گمانت را یقین کن

ترجمہ: ریاضت کر اور تربیت کے ذریعے ان کو صحیح دیکھنے والے بنالے، اور اس کے بعد اپنے گمان کو یقین میں بدل دے۔

چو اینها راست بین گردند زان پس

ترا سرمایه این اندر جهان بس

ترجمہ: جب یہ (حواس ظاہر و باطن) صحیح دیکھنے والے بن جائیں گے تو اس کے بعد اس دنیا میں یہی سرمایہ تیرے لئے کافی ہے۔

کشاده گردد آنگاه چشم بینش

ببینی از ورای آفرینش

ترجمہ: اس کے بعد تیری باطنی نظر کھل جائے گی (یعنی تو شرح صدر کے مقام تک پہنچے گا)، اور تو اس جسمانی کائنات سے پرے کی حقیقتوں کا مشاہدہ کرنے کے قابل بن جائے گا۔(۵۹)

ان اشعار میں شرح صدر کا مقام حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے جو ریاضت اور روحانی ورزش، مشق اور تربیت سے عبارت ہے، امام سلطان محمد شاہ ایک ارشاد میں فرماتے ہیں:

"عبادت اور بندگی میں مشغول رہیں گے تو خدا کا نور آپ میں روشن ہوگا اور بدی کے کام ختم ہو جائیں گے۔۔۔انسان جب پہلوان بننا چاہتا ہو تو وہ ورزش کرتا ہے، اس لئے عبادت بندگی کرکے دین کے پہلوان بنیں۔ دین کی پہلوانی کی جو ورزش ہے وہ روحانی ورزش ہے"۔(۶۰)

"یہ عبادت تو بالخصوص باطنی عبادت ہے، وہ عبادت کیا ہے اور اس میں کیا ہوتا ہے؟ اور وہ کس طرح ہوتا ہے؟ یہ ایک روحانی ورزش یعنی تعلیم ہے، اس کی کچھ لوگوں کو خبر ہوتی ہے، ایسی تعلیم اپنی روح کو ہمیشہ دینا۔

جسمانی محنت اور قوت سے پہلوان بنتے ہیں، یہ تو آپ جانتے ہیں، اسی طرح آپ باطنی عبادت کے ذریعے روح کی ورزش کریں گے تو آپ فرشتے بن جائیں گے۔ آپ اپنی ہمت کم نہ ہونے دینا۔"(۶۱)

پس روحانی ورزش کے بغیر باطنی آنکھ نہیں کھل سکتی اور انسان کی روحانیت اور جسمانیت کے درمیان اس کے حواس جو کہ گلشن جہان کا نظارہ کرنے کے دروازے ہیں پردہ بن جاتے ہیں، اور عالم روح کی عجائبات اس سے مخفی رہ جاتی ہیں۔ناصر خسرو کا کہنا ہے کہ جو لوگ اس طرح کی روحانی ریاضت نہیں کرتے ہیں وہ کچے پھلوں کی مانند ہیں جن میں نہ

ذائقہ ہوتا ہے نہ خوشبو، جس درخت کے پھل میٹھے اور خوشبو دار ہوتے ہیں باغبان اس درخت کی پرورش کرتا ہے، روحانی لذت اور خوشبو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ پیر صاحب فرماتے ہیں کہ :

ترا لذت ز علم است از عمل بوی
کمالیّت ز علمِ با عمل جوی

ترجمہ: تیرے وجود میں لذت علم سے پیدا ہوتی ہے اور عمل اسے خوشبو دیتا ہے، پس با عمل علم کے ذریعے اپنے لئے کمال طلب کر۔(۶۲)

خوان الاخون میں فرماتے ہیں کہ انسانی روح کو تائید (روحانی مدد اور روشنی) علم اور عمل کے ذریعے ہی پہنچتی ہے، بینائی صرف اس آنکھ میں پیدا ہوتی ہے جو صحیح اور سالم ہو اور عیب و درد اور بیماری سے پاک ہو، اسی طرح تائید (روحانی روشنی) آنکھ کی روشنی کی طرح ہے، اور وہ صرف اس شخص کو ملتی ہے جس کا عمل علم کے ذریعے پاک ہوا ہو اور اس کی روح حسّی آلودگیوں سے علم وعمل کے پانی میں دھلی ہوئی ہو۔(۶۳)

حضرت امام سلطان محمد شاہ کا ارشاد ہے:

"علم والی روح درجہ بدرجہ اوپر چڑھے گی، وہ ایک درجہ مکمل کرکے دوسرے درجہ میں جا سکے گی۔"(۶۴)

وگر باشی سقط در خاک مانی
معذب در بلای جاودانی

ترجمہ: اگر تو گر گیا، (یعنی علم اور عمل کے ذریعے کمال حاصل نہ کرسکا) تو مٹی میں رہ جائے گا اور دائمی بلا کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔

نه باشی درخور خوان شهنشاه

چو خاك خوار باشی بر سر راه

ترجمہ: (اگرعلم و عمل کے ذریعے کمال حاصل کرکے روحانی لذّت اور خوشبو حاصل نہ کر سکا تو اس صورت میں) تو بادشاہ کے دسترخوان کے قابل نہ رہے گا، بلکہ بے قدر مٹی کی طرح سرِ راہ (پیروں تلے رُندتا) رہ جائے گا۔(۶۵)

اس موضوع کی مزید وضاحت پیر موصوف نے اپنی کتاب خوان الاخوان کی ایک فصل میں کی ہے، پیر کا کہنا ہے کہ: انسانی جسم میں نفس حسّی یعنی نفس حیوانی نفس ناطقہ سے پہلے اپنا اثر ظاہر کرتا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ایک روحانی درخت کی طرح ہے، اس کا نفس حسّی درخت کے پتوں اور شاخوں کی مثال ہے جو کہ درخت پر شروع شروع میں نمودار ہوتی ہیں، اور انسان کا نفس ناطقہ درخت کے پھل کی مثال ہے، اور درخت لگانے والے کا منشا پھل ہی ہوتا ہے، اور مخلوق کے درمیان انبیاء علیہم السّلام کھجور کے درخت کی مانند ہیں جو کہ مٹی سے اگتا ہے، اور اس مٹی میں جو بھی تازگی، لطافت اور مٹھاس موجود ہوتی ہے اسے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، اور جمع کرلیتا ہے، اور پھر اسے لطیف اور میٹھے پھلوں، یعنی کھجوروں کی شکل میں زمین پر گرا دیتا ہے، پس کھجور کے درخت کی جڑیں جس مٹی کو قبول کرتی ہیں وہ مٹی، مٹی کے درجے سے خرما کے درجے تک پہنچ جاتی ہے، اور وہی مٹی جسے چوپائے پاؤں تلے روندتے تھے، کھجور کے درخت کی قوت کی بدولت جس نے اسے قبول کیا، یعنی اپنی غذا بنا لیا، ایک زرّین طبق (تھالی) میں بادشاہوں کے دسترخوان پر پہنچنے کے قابل بنی۔

جب نادان مٹی نے جو کھجور کے درخت کے نزدیک تھی خود کو اس

درخت کے حوالے کیا تو خواری اور بے قدری سے بچ گئی اور اس قدر عزّت اور قیمت تک پہنچی، تو انسان زیادہ اہل ہے کہ وہ اپنے جنس کے درختِ خرما کے لئے جو اس کے دور کا رسول ہے اور اس کے اپنے زمانے کا امام ہے، جو ایک پھلدار روحانی درخت کی مانند ہے، مطیع اور فرمانبردار ہو، اور اپنے آپ کو اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے رسول اور امام زمانہ کے حوالے کردے تاکہ روحانی اور عرفانی اعتبار سے مٹی کے درجے سے (روحانی) خرما کے درجے تک پہنچ جائے، اور(کفر و جہل کی) ذلّت و خواری سے (علم و معرفت کی) عزّت و خوشی تک پہنچ جائے، اور اپنی روح کے کلّ کے دسترخوان کے لائق بنے، اور امام زمانہ کی وساطت سے اسے فنا و کثافت سے نجات ملے اور بقا و لطافت تک پہنچ جائے، اور ہمیشہ کے لئے دائمی نعمت میں رہ جائے۔(۶۶)

اسی کتاب میں ایک اور فصل ہے جس کا عنوان ہے: ''روح جب (گناہوں سے) پاکیزہ ہوتی ہے تو عالمِ لطیف (عالمِ روحانی) اور (روحانی) موجودات کا مشاہدہ کرتی ہے''۔ اس فصل میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ: روح کے اندر ایک ذاتی بینائی بھی ہے جو اس کی حسّی آنکھ کی بینائی کے علاوہ ہے، اسی طرح حواس کے ذریعے وہ جو افعال سرانجام دیتی ہے ان کے علاوہ بھی بعض ذاتی افعال سرانجام دیتی ہے جو اس کے حسّی افعال سے زیادہ شریف ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگ پیدائشی طور پر اندھے ہوتے ہیں، مگر وہ بہت سے ایسے اعلیٰ علوم سیکھتے ہیں جو بہت سے ایسے لوگ نہیں سیکھ سکتے جن کی ظاہری آنکھیں بالکل درست ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے جسمانی حواس کی اس کے ذاتی (روحانی) حواس سے ایک دور کی

مشابہت ہے، اور روح کی جسمانی آنکھ کے علاوہ ایک روحانی آنکھ بھی ہے، اور جس طرح انسان کی جسمانی آنکھ تک روشنی پہنچانے کے لئے جسمانی سورج یا چراغ ہے بالکل اسی طرح روح کی اس ذاتی آنکھ کو منور کرنے کے لئے ایک روحانی سورج یا چراغ ہے جو اپنے دور کا رسول اور ہر زمانے کا امام ہے جو روح کو اس باطنی آنکھ کے ذریعے روحانی حقائق سے آگاہ کرتے ہیں، اور مندرجۂ ذیل آیت میں یہی مفہوم پوشیدہ ہے، ارشاد ہے:
يَـا اَيُّهَـا الـنَّبِىُّ اِنَّـا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّ نَذِيْراً وَّ دَاعِياً اِلَى اللّٰهِ بِـاِذْنِـهٖ وَ سِـرَاجـاً مُّنِيْراً (۳۳:۴۵-۴۶) اے نبیؐ ہم نے تم کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

حکیم پیر کے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اور امام کی ہدایت، امر اور توجہ کی روشنی میں جب مومن اپنی روح کو ریاضت کی ورزش سے گزارتا ہے تو اس کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے، اور یہاں سے شرح صدر ہوتا ہے، یعنی روحانیت اور معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پیر فرماتے ہیں کہ "انسان جب نفس ناطقہ کی مدد سے نفس شہوانی کو مغلوب کرتا ہے اور حسّی لذات میں محو نہیں رہتا ہے تو اس کی روح قوی بن جاتی ہے اور علمی حقائق کا مشاہدہ کرتی ہے، عمل روح کی فطرت ہے، جب آپ اسے حسّی اشیا میں مگن رہنے سے روک لیتے ہیں، اور وہ حسّی اشیا میں مگن رہنا چھوڑ دیتی ہے تو اپنے اندر موجود روحانی قوت کے ذریعے اپنے عالم یعنی روحانی دنیا کی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے جو اس کی اپنی ذات کے اندر موجود ہیں،(۶۷) اور یہاں سے خود شناسی شروع ہوتی ہے جو معرفت سے عبارت

ہے جس کی آخری منزل خدا شناسی ہے۔ امام سلطان محمد شاہ کے مندرجۂ ذیل تمام فرامین کا تعلق معرفت اور خود شناسی سے ہے، فرماتے ہیں کہ:

"اس دنیا میں دو قسم کے مومن ہیں، جن میں ایک بدن کے مومن ہیں اور دوسرے روح کے مومن ہیں۔ بدن کے جو مومن ہیں وہ یہاں ہی خوش ہوتے ہیں اور اسی دنیا ہی میں رہنے سے خوش ہیں، وہ آخر زمین میں جاتے ہیں، یہ بڑائی کے مومن ہیں، ان کی جگہ زمین ہی میں ہوتی ہے۔

دوسرے جو روح کے مومن ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں کہ دین کے کام میں وہ آگے اور آگے ہی قدم بڑھاتے جاتے ہیں، وہ رکتے نہیں ہیں، وہ مومن مسلسل آگے ہی بڑھتے رہتے ہیں، ایسے لوگ بہشت سے بھی اوپر جائیں گے۔(۶۸)

آپ کو خیال کرنا چاہئے کہ روح کہاں سے آئی ہے، بعد میں روح کہاں جائے گی؟(۶۹)

آپ کی روح کے چراغ میں روغن (تیل) کا ڈھیر ہے، لیکن اگر آپ اس کو دیاسلائی (یعنی علم و عمل اور عبادت و بندگی) سے نہیں سلگائیں گے تو روشنی کیسے ہوگی؟ آپ باقیماندہ زندگی کو بے فائدہ اور بے خبری میں کتنے عرصے تک گنواتے رہیں گے، آپ باطنی علم سے روشناس ہوں۔(۷۰)

بہشت سے بھی پاک ایک جگہ ہے، وہاں روح کو پہنچنا چاہئے، آپ کب تک بے دل رہیں گے، آپ کا روح کب تک خاک میں رہے گا۔(۷۱)

آپ میں جو روح ہے وہ کیا ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ اس طرح سے آپ کیوں نہیں سوچتے ؟ آپ ہمیشہ خیال کریں کہ آپ کا روح کیا چیز ہے اور اس کو اصل جگہ کیوں نہیں پہنچاتے۔ اس کو اس کی اصل جگہ پہنچانے کیلئے آپ کیوں ہمت نہیں کرتے ؟ آپ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں سب ندیاں آخر سمندر میں ملتی ہیں، سمندر میں مل جانے کے بعد کوئی بھی ان کو ندی کا نام نہیں دیتا۔ آپ کی روح ایک ندی کی مثال ہے، آپ ان کو راستے میں مت سوکھنے دیں۔ ہمت والے انسان کی روح جلدی سے سمندر میں مل جاتی ہے۔(۷۲)

ہر انسان کی روح کے ساتھ امام کا نور منسلک ہے۔ مومن کا دل امام کے رہنے کا بنگلہ ہے اور وہ عشق پر مبنی ہے۔ اگر وہ خود دکھائی دے تو ہی امام کی خوبی ہے، امام کی (جو) خوبی ہے وہ نور ہے، ہم فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہے وہ روح ہی ہے۔ اسی لئے اس کی جستجو کریں (کہ) وہ کیا ہے، وہ کہاں سے آئی؟(۷۳)

انسان کا درجہ بلند ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں نیچے گرا دیتا ہے۔ آپ میں سے کوئی کوشش کرے کہ ہم پیر صدر دین، پیر شمس یا منصور جیسے بنیں تو آپ ایسے بن سکتے ہیں، آپ اس سے بھی اوپر جا سکتے ہیں۔

ہم نہیں کہتے کہ آپ کیسے بنیں گے، لیکن ہمیں سب معلوم ہے۔ اگر اپنے دین کی راہ پر مستقیم ہوکر چلیں گے تو آپ بلندی پر پہنچ سکیں گے، اس کا ہمیں علم ہے۔(۷۴)

۱۶۔ نور حاصل کرنے کا طریقہ :

نور جادو کی چھڑی سے نہیں بلکہ صحیح عقیدہ، یقینِ کامل، علم ،عمل اور تقویٰ کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ خدا کی عنایت اور مہربانی بھی شامل حال ہو۔ حکمت علم اور عمل ہی کا نام ہے جسے قرآن حکیم میں خیر کثیر (بہت بڑی نیکی) کہا گیا ہے۔ امام علیہ السّلام کے مندرجہ ذیل ارشادات میں وہ طریقے بیان ہوئے ہیں جن پر عمل کرکے نور حاصل کیا جا سکتا ہے:

۱۔جھوٹ نہ بولنا
۲۔ پرائے مال کا لالچ نہ رکھنا
۳۔ پرائی عورت پر بدنظری نہ رکھنا
۴۔ حلال کی کمائی ہوئی روزی میں سے حق ادا کرکے کھانا۔
۵۔ کسی سے حسد نہ رکھنا۔

اس کے مطابق چلیں گے تو آپ کے دل میں نور یعنی روشنی ہوگی اور ایمان اور محبت میں اضافہ ہوگا۔(۷۵)

مومن جب ان باتوں پر عمل کرتا ہے تب اس کی عبادت قبول ہوتی ہے :

۱۔ حاضر امام کی دوستی
۲۔ روز مرّہ کی عبادت
۳۔ نیک اعمال
۴۔ دسوند مال واجبات

۵۔ ماں باپ اور بھائیوں کا حق
۶۔ پڑوسیوں کا حق
۷۔ عورت کا حق
۸۔ علم دینے والے استاد کا حق
۹۔ مرشد کا حق۔(۷۶)

عبادت بندگی میں مشغول رہیں گے تو خدا کا نور آپ میں روشن ہوگا اور بدی کے کام ختم ہو جائیں گے۔ اگر آپ کی عبادت کی عادت نہیں ہوگی تو آپ کی دنیا اور دین سب برباد ہوں گے۔ (۷۷)

۱۷۔ توبہ حصول نور کا ذریعہ ہے :

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے: دل کے لئے گناہ سے زیادہ کوئی چیز ضرر رساں نہیں، جب آئینۂ دل ظلمتوں کی وجہ سے تاریک ہوجاتا ہے، پھر اس کے بعد ظلمت اس کے تمام دل کو گھیر لیتی ہے اور آخر کار وہ اپنے اصلی مقام سے گر جاتا ہے، اور حق سے منحرف ہوجاتا ہے۔(۷۸)

سیّدنا حکیم ناصر خسرو کی کتاب خوان الاخوان میں ایک نہایت اہم فصل ہے جس کا عنوان ہے '' روح کو گناہ سے پاک اور محفوظ رکھنے کا بیان۔'' اس فصل میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ پہلا قدم یہ ہے کہ مومن اپنے گناہ سے واقف ہو، پھر اسے گناہ سے پاک اور محفوظ رکھنے کی فکر کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو بھی کام عقل کی نظر میں برا ہو، اس سے پرہیز کیا جائے۔ پیر فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کا انسان کی روح پر ایک

نقش (فلم) بن جاتا ہے، اور گناہ کا نقش (فلم) عقل کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ ہے۔ تمام روحوں کی بازگشت اپنے کل کی طرف ہوتی ہے، اور جو روح اپنے کل کے پاس ایک ایسے نقش (فلم) کے ساتھ جاتی ہے جس سے اس کی دشمنی ہو تو وہ اسے قبول نہیں کرتا، چنانچہ وہ روح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔ اپنے کل کے لئے قابل قبول ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ مومن کی روح پہلے اس گناہ کے نقش(فلم) کو مٹا دے جو اس کی روح پر بنا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ مومن اپنے گناہ پر نادم اور شرمندہ ہو اور توبہ کرے، اور پھر نیک عمل کرے اور ایسا عمل کرے جو عقل کی نظر میں پسندیدہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی روح سے گناہ کا نقش (فلم) مٹ جائے گا اور اس کی جگہ اس پر نیک اعمال کا نقش (فلم) بن جائے گا، اور یہی توبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْماً (۲۵:۷۰) مگر جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیا پس وہ وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیتا ہے، اور خدائے تعالیٰ عیوب کا چھپانے والا مہربان ہے۔

حکیم ناصر فرماتے ہیں کہ جب انسان اس دنیا میں علم و عمل کے لئے کوشش کرے گا، اور معاد (روح کی بازگشت) کی معرفت حاصل کرے گا، اور اپنی روح کی پرورش نیکی اور صلاح کے ساتھ کرے گا تو جب وہ اُس عالم میں پہنچ جائے گا تو اس کی روح کی عالم عقلانی کے ساتھ موافقت ہوگی، اور کمزور موافق قوی موافق کی صحبت سے عظیم راحت تک پہنچ جاتا ہے، مثلاً ایک پیالہ بھر پانی کو کسی بڑے دریا میں گرایا جائے تو وہ تھوڑا سا

پانی اس زیادہ پانی کی بدولت قوی بن جاتا ہے، اور وہ وہی کام کرنے لگتا ہے، جو کام عظیم دریا کرتا ہے۔(۷۹)

۱۸۔ توبہ کی حکمت :

حکیم پیر ناصر فرماتے ہیں: حقیقی اور عملی توبہ یہ ہے کہ جو کام عقل کی نظر میں نا پسند ہے اسے ترک کیا جائے اور دو بارہ وہ کام نہ کیا جائے، اور وہی کام کیا جائے جو عقل کی نظر میں پسندیدہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ: اَلْمُعْتَرِفُ بِالذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ وَ الْمُصِرُّ عَلَى الذَّنْبِ كَالْمُسْتَهْزِءُ بِرَبِّهٖ۔ یعنی جو شخص اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ ہی نہ ہو، اور جو اپنے گناہ پر اڑا رہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اپنے رب کے ساتھ مذاق کیا۔

پیر فرماتے ہیں: گناہ کو چھوڑ دینا روح سے بری تصویر کو مٹا دینے کی مانند ہے، اور نیکی کرنا اور ایسے کام کرنا جو عقل کی نظر میں پسندیدہ ہیں روح سے بری تصویر کو مٹا کر اس کی جگہ روح پر اچھی تصویر (فلم) بنانے کی مانند ہے۔ گناہ سے توبہ نہ کرنا اور روح سے خراب تصویر کو نہ مٹانا دانا کے لئے روا نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش بے حساب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (۵۳:۳۹) بتا دیجئے (اے رسول) کہ اے میرے وہ بندو جو کہ تم نے بہت سے گناہ کئے ہیں، خدا کی رحمت سے ناامید مت ہوجاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

پیر صاحب یہاں ایک مثال کے ذریعے گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں جو نہایت اہم ہے۔آپ کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے دوسرے سے ناحق مال چھین کر گناہ کیا ہے تو اس سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مال موجود ہو تو اسے اس کے مالک کو واپس کرے اور اس سے اپنے قصور کی معافی مانگے، اور اگر وہ مال موجود نہ ہو تو مال کے مالک کو اس کے برابر معاوضہ ادا کرے، اگر مال ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو ایسی نیت کرے کہ جب بھی استطاعت ہوگی مالک کو مال واپس کرے گا۔ اگر وہ شخص زندہ نہ ہو تو وہ حق اس کے وارثوں کو ادا کیا جائے۔ اگر اس کی اولاد بھی نہ ہو تو امام کے نمائندے (اُس زمانے میں حجت جزیرہ یا پیر اور اِس وقت مکھی) کی معرفت اپنے صاحب زمان یعنی امام زمانہ کے بیت المال میں پہنچا دے، تاکہ وہ بری تصویر جو مال ناحق کھانے کی وجہ سے اس کی روح پر بنی تھی مٹ جائے۔ اور اگر وہ مومن نیک نیّت کرے مگر حق ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اس کی نیک نیت اس کی روح کو عذاب سے بچانے کیلئے ایک ڈھال بن جائے گی، جیسا کہ رسولِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا ہے: اَلنِّيَّةُ الْحَسَنَةُ جُنَّةٌ حَصِيْنَةٌ۔ یعنی نیک نیت ایک مضبوط ڈھال ہے۔

اور اگر مال واپس کرنے کی طاقت ہو مگر واپس نہیں کیا اور مر گیا تو اس کا ایک عذاب دوگنا بن جائے گا، اس لئے کہ اس کا گناہ بھی دوگنا ہوا، ایک وہ گناہ جو اس نے مال خوری کی صورت میں پہلے کیا تھا اور دوسرا جھوٹ کا گناہ جو اس نے خدا کے سامنے بولا، یہ اس لئے کہ اس نے توبہ کی نیت تو کی، مگر توبہ کو پورا نہیں کیا جس کی وجہ سے اس کی برائی پر برائی

کا اضافہ ہوا۔ اور اگر وہ توبہ کا وعدہ پورا کرے اور حقدار کا حق ادا کرے تو اس کا ثواب بھی دوگنا بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَاُولٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (۳۴:۳۷) مگر جس نے ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو وہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے دوگنا اجر ہے ان کے اعمال کے بدلے وہ (بہشت کے) بالا خانوں میں امن سے ہوں گے۔

اور جو سچ بولتا ہے اور وعدہ پورا کرتا ہے وہ اپنی روح کے اندر ایک سکون اور اطمینان پا لیتا ہے اور لوگوں سے (اپنے متعلق) ذکر خیر سن لیتا ہے، اور اس کی روح کے اندر اسی ایفائے عہد اور سچائی سے ایک ایسی روحانی تصویر پیدا ہوتی ہے جس کی مسرت اور خوشی ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ وابستہ رہتی ہے۔(۸۰)

دوسرے گناہوں سے توبہ کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے، یعنی برے عمل کو ترک کرے۔ ترکِ گناہ کے بغیر زبان سے توبہ توبہ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے بدی کو چھوڑ دے اور نیکی کو اپنائے تو یہی توبہ ہے، اور یہ نیّت، قول اور عمل تینوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

۱۹۔ نور اور شرح صدر: (ب)

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (۳۹:۲۲) پس کیا وہ شخص (خوش نصیب نہیں) جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا پھر وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔

شرح صدر کی وضاحت گزشتہ سطور میں کی گئی۔ اس آیت کی یہی تعلیم ہے کہ معرفت میں جو شخص شرح صدر کے مقام پر پہنچتا ہے اس کا رابطہ نور توحید کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہ نور روح عاقلہ کے اندر پیدا ہوتا ہے جسے قرآن میں حکمت کے پیرائے میں قلب (دل) کہا گیا ہے، اور قلب سے مراد دل ہے اور دل سے مراد وہ گوشت کا ٹکڑا نہیں جو سینہ کے اندر ہے بلکہ اس سے مراد نفس عاقلہ ہے جس کا تعلق مرکز دل سے ہے۔(۸۱) قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد ہے: وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى (۲۰:۹۔۱۰) اور کیا تم تک موسیٰؑ کا قصہ پہنچا ہے جب کہ اس نے ایک آگ دیکھی، تو اپنے اہل سے کہا کہ ٹھر جاؤ یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں اس میں سے تمہیں ایک چنگاری لادوں گا یا اس آگ کے پاس مجھے راستہ مل جائے گا۔

اس آیت کی وضاحت پیر ناصر خسرو نے خوان الاخوان کی ایک فصل میں کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السّلام معرفت کے طور پر تھے، اس لئے ان کو یہ آگ (یعنی نور) ان کے اپنے نفس مقدس میں نظر آئی تھی، اور وہ آگ توحید کا نور تھا جو ان کے لئے منور ہوا تھا، اور اپنے اہل سے جو یہ کہا کہ ٹھر جاؤ۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جس دین اور طریقت پر تم ہو (فی الحال) اسی پر ہی رہو تاکہ جو نور میرے لئے روشن ہوا ہے اس سے آگاہ ہوجاؤں اور اس کی روشنی تم تک پہنچادوں اور میں اور آپ راہ راست پائیں۔ راہ راست سے دین کا راستہ مراد ہے نہ کہ کوئی دنیوی راستہ۔ اگر آپ اس آگ کو سَر کی آنکھ سے دیکھتے تو دوسروں کو بھی

دکھاتے، اس لئے جس شخص کی نظر درست ہو وہ رات کے وقت آگ کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دکھا سکتا ہے، اور اس کی کیفیت بھی بتا سکتا ہے، مگر چونکہ وہ نور توحید کی روشنی تھی جس کا مشاہدہ موسیٰ نے چشم باطن سے کیا تھا، اس لئے اسے وسائط یعنی کتاب و شریعت اور عمل کے بغیر دکھانے سے قاصر رہے جس طرح ایک استاد اپنے شاگرد کو اوزار اور وسائل کے بغیر اپنا ہنر اور فن سکھانے سے عاجز آتا ہے۔(۸۲)

یہاں راہ معرفت کے مسافرین کے لئے ایک اور اہم نکتے کی وضاحت ضروری ہے۔ روحانی روشنی دیکھنے کے بعض خواہشمند افراد اکثر سوال کرتے ہیں کہ وہ عمر بھر بندگی کرتے رہیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ایسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیر مذکورہ بالا کتاب کی ایک فصل میں فرماتے ہیں کہ: ہم بتا دیں گے کہ (انبیاء و ائمّہ کی) ارواح مقدسہ جن کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تائید ملی ہے ان کے ما تحت ارواح (مومنین) کو اپنا شرف یعنی نور توحید دکھانے سے عاجز نہیں ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اس شرف یعنی نور کو دیکھنے سے وہ ارواح (مومنین) خود عاجز ہیں۔ مثال کے طور پر سورج کی خاصیت یہ ہے کہ وہ تمام چیزوں تک روشنی پہنچا دیتا ہے تاکہ لوگ انھیں دیکھ لیں۔ اب جس شخص کی آنکھیں درست اور کسی بیماری سے پاک ہوں وہ سورج کی روشنی میں ہر چیز کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور خود سورج کو بھی دیکھ سکتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ کسی کی نظر ختم ہوچکی ہو یا آنکھوں میں کوئی بیماری ہو تو سورج کی روشنی کے باوجود وہ چیزوں کو دیکھ نہیں سکتا، اور خود سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ہے ان لوگوں کی مثال جو اخلاقی اور روحانی بیماریوں کی وجہ سے روحانی بصیرت یا معرفت کی نظر کھو

چکے ہیں۔ اس میں سورج کا نہ کوئی قصور ہے نہ اس کی طرف سے کوئی بخیلی یا کوتاہی ہے۔ ناصر خسرو کا کہنا ہے کہ ''پس چاہئے کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں کا علاج معالجہ کرائیں، تاکہ ان کی آنکھیں ٹھیک ہوں اور سورج کی روشنی کی طرف دیکھنے کے لئے ان کے اندر طاقت پیدا ہو، تب ان کو معلوم ہوگا کہ نہ دیکھنے کا قصور ان کی اپنی آنکھوں کا تھا نہ کہ سورج کا۔''(۸۳)

ایک مرید نے امام سلطان محمد شاہ کی خدمت میں عرض کی ''ہمارے دل میں شک پیدا ہوتا ہے'' حاضر امام نے فرمایا: آپ کو کیا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا '' میرے دل میں یاد نہیں رہتی، گنان کے ساتھ محبت پیدا نہیں ہوتی، دل میں اندھیرا پیدا ہوتا ہے'' تب امام نے نصیحت فرمائی کہ :

۱۔ جھوٹ نہ بولنا
۲۔ پرائے مال پر طمع نہ رکھنا
۳۔ غیر کی عورت پر بدنظری نہ کرنا
۴۔ حلال کی کمائی ہوئی روزی میں سے حق ادا کرکے کھانا۔
۵۔ کسی سے حسد نہ رکھنا۔ اس کے مطابق چلیں گے تو آپ کے دل میں روشنی ہوگی، ایمان اور محبت میں اضافہ ہوگا۔(۸۴)

۲۰۔ آخرت کے لئے نور حاصل کرنے کی جگہ دنیا ہے :

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ، قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (۱۳:۵۷) جس دن تو مومن مرد اور مومنہ عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہے (انہیں کہا جائے گا کہ) آج کے دن تمہیں خوشخبری ہو جنّتوں کی جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، تم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہو، یہی تو وہ بہت بڑی مراد ہے۔ جس دن منافق مرد اور منافقہ عورتیں ان لوگوں سے کہیں گے جو ایمان لا چکے، ہماری طرف نظر کرو تاکہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں، تو انھیں کہا جائے گا اپنے پیچھے (دنیا میں) لوٹ جاؤ پھر نور حاصل کرو (اور وہ ایسا نہیں کر سکیں گے اس لئے کہ دنیا سے چلے جانے کے بعد واپس آنا ممکن نہیں)

ان آیات مقدسہ میں اہل عقل کیلئے حکمت کے کئی نکتے مخفی ہیں۔ پہلی آیت میں یہ بات صاف اور واضح ہے کہ جس نور کا ذکر ہو رہا ہے وہ ایک ایسا نور ہوگا جسے مومنین اپنے وجود سے خارج میں دیکھ لیں گے کہ وہ انہیں اپنے نور سے فیض پہنچانے کی خاطر ان کے آگے اور ان کے دائیں سعی کرتا ہے۔

انبیا اور ائمّہ علیہم السّلام نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی اپنے روحانی اورجسمانی مقام اور مرتبے سے مومنین کو نفع پہچانے کیلئے انتہائی مشتاق ہوتے ہیں اور اس کیلئے شب و روز سعی بھی کرتے ہیں۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۲۸ میں ارشاد ہے کہ: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۹:۱۲۸) ''یقیناً تم ہی میں سے ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے تمہارا تکلیف اٹھانا

اس پر شاق گزرتا ہے تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے، مومنوں پر تو نہایت ہی شفیق بڑا ہی مہربان ہے۔''

یہ جسمانی عالم ہے، اگر انبیا و ائمّہ علیہم السّلام مومنین کو اپنے مقام اور مرتبے سے فیض پہنچانے کے لئے یہاں سعی کرتے ہیں اور اس کے لئے مشتاق ہیں تو روحانی عالم میں ان کی بلندئ درجات کے لئے وہ کیوں ایسا نہیں کریں گے۔ قرآن حکیم میں اسی مفہوم میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اس دنیا میں نور و ہدایت حاصل کرنے میں اندھا رہا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا (۱۷: ۷۱ ـ ۷۳) اس لئے کہ وہ عمل کا مقام نہیں بلکہ جزا کا مقام ہے۔ علامہ مجلسی کا کتاب حیات القلوب میں کہنا ہے کہ: علی بن ابراہیم نے اس آیت میں نورھم یسعیٰ بین ایدیھم کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ: مومنوں کے امام ان کے نور ہیں جو ان کے سامنے اور داہنی جانب کوشش کرتے ہوں گے کہ ان کو جنّت میں ان کے مقامات پر پہنچا دیں۔(۸۵)

سوچنے کا مقام ہے کہ دوسری آیت میں یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ مومنین اس نور کے لپیٹ میں ہوں گے، اس حد تک کہ منافقین اس کا مشاہدہ کریں گے، وہ مومنین پر رشک کریں گے اور ان سے حصول نور کیلئے التفات نظر کی التجا کریں گے۔ مگر چونکہ روحانی عالم دار العمل نہیں بلکہ دار الجزا ہے، دار العمل یہ دنیا ہے، یہاں عمل کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر وہاں عمل کی اصلاح ممکن نہیں، اس لئے مومنین انہیں ان کی غلطی کا احساس دلانے کیلئے کہیں گے کہ اپنے پیچھے یعنی دنیا میں پلٹ جاؤ، ہدایت حاصل

کرنے کی جگہ وہی ہے اور نور بھی وہاں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (۷۱:۱۷، ۷۲) (یاد کرو) اس (قیامت کے) دن کو جبکہ ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جنھیں ان کا اعمالنامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنا اعمالنامہ (خوش ہوکر) پڑھیں گے اور ان پر ایک سوت برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا۔

اس آیت کی تفسیر میں سیوطی نے درّ منثور میں لکھا ہے کہ امام ابن مردویہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ہر قوم کو اپنے زمانے کے امام اور ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی کی سنّت کے ساتھ بلایا جائے گا۔

تفسیر صافی صفحہ ۲۹۳ پر بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیا آپ کل آدمیوں کے امام نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں کل آدمیوں کی طرف خدا کا رسول ہوں، لیکن عنقریب میرے بعد خدا کی طرف سے میرے اہل بیت میں سے کل آدمیوں کے لئے امام بھی مقرر کئے جائیں گے۔۔۔(۸۶)

ان روایتوں میں جو کچھ بیان ہوا اس کی درستی کی تصدیق پہلی آیت کے متن سے بھی ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن

سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ جہاں تک دوسری آیت کا سوال ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ: جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا، اس کی وضاحت کے دو پہلو ہیں، پہلا یہ کہ اس دنیا میں اندھا رہنے سے مراد وہ شخص ہے جو دنیا میں ہادی کی ہدایت سے، جو کہ نور ہدایت ہے، محروم رہا ہے۔ ایسے شخص کے لئے آخرت میں نور ہدایت حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا اس لئے کہ وہ، جیسا کہ عرض کیا گیا، عمل کا نہیں بلکہ جزا کا مقام ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اندھا رہ جانے سے مراد وہ شخص ہے جس نے دین کو لائقِ توجہ نہیں سمجھا ہے اور خدا شناسی، رسول شناسی اور امام شناسی کے ساتھ ساتھ اطاعت اور لازمی عبادت، بندگی اور تقویٰ کے ذریعے چشم باطن سے پردۂ غفلت نہیں ہٹالیا ہے، جس کے بغیر معرفت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ حکمت کی زبان میں ایسے شخص کو اندھا کہا جاتا ہے، جیسا کہ کلام مجید میں ارشاد ہے: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۱۷۹:۷) ان کے دل (تو موجود) ہیں (مگر) ان سے وہ سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں (بھی) ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے کان (بھی) ہیں، (مگر) ان سے وہ سنتے نہیں، وہ چوپاؤں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، یہی لوگ غافل ہیں۔

پس غفلت روحانی اندھاپن ہے، غفلت دور کرکے معرفت کا چراغ دنیا میں حاصل کیا جا سکتا ہے، اور یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے، اپنے زمانے میں رسول اور ہر زمانے میں امام زمانہ کی صورت میں دنیا میں

ہدایت کا چراغ روشن ہے، اور خدا کا آسمانوں اور زمین کا نور ہونے کے کئی معنوں میں سے ایک یہ ہے۔

۲۱۔ معرفت کا سفر نور کی روشنی میں ہی ممکن ہے :

ارشاد باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (۲۸:۵۷) اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے، اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دے گا، اور تمہارے لئے ایک نور قرار دے گا جس کے ذریعے تم چلو گے، اور تمہاری مغفرت کرے گا۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں سے ہی مخاطب ہے اور فرماتا ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے، اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مومنین کا دوبارہ ایمان لانے کا کیا مطلب ہے، حلانکہ وہ پہلے ہی اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں ؟ اسی لئے تو ان کی جانب " اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے" کہہ کر خطاب ہوا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حصول نور کا مقام یا درجہ حاصل کرنے کے لئے صرف زبانی اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اس مقرر شدہ نور کی روشنی میں دین کے ظاہر سے باطن تک، شریعت سے طریقت تک، طریقت سے حقیقت تک اور حقیقت سے معرفت تک عرفانی سفر کی ضرورت ہے تا کہ مومنین کے لئے خود شناسی کے ذریعے خدا شناسی کا مقام حاصل ہو۔ حصول نور کا مقام حاصل کرنے کے لئے صراط مستقیم پر سفر کرنے کی

ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر نور حاصل نہیں ہوتا۔ سورۂ نساء میں بھی ایک ایسی ہی آیت ہے جس میں بتا یا گیا ہے کہ" اے ایمان والو ! ایمان لے آؤ خدا پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب (قرآن) پر۔۔۔الخ (۱۳۶:۴) یہاں بھی وہی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ خود ہی اے ایمان والو کہہ کرخطاب کرتا ہے تو پھر ان سے دوبارہ ایمان لانے کا تقاضا کیا مفہوم رکھتا ہے؟ یہی نا کہ صراط مستقیم پر سفر کرو، دین کے ظاہر سے باطن تک علم (جس میں درست عقیدہ بھی شامل ہے)، عمل اور تقویٰ کے ذریعے سفر کرو جس کے نتیجے میں مقام نور تک پہنچ جاؤگے۔ اس آیت کی تفسیر میں کلینی ابن ماہیار اور دوسرے حضرات نے بہت سی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ کفلین سے مراد حسنؑ اور حسینؑ ہیں، ویجعل لکم نورًا تمشون به ۔ سے مراد یہ ہے کہ تمہارے لئے امام کے بعد امام مقرر کیا ہے تا کہ تم اس کی پیروی کرو اور راہ معرفت پر آگے بڑھو۔

ابن ماہیار نے ایک دوسری سند سے حضرت امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ کفلین سے مراد حسنینؑ ہیں اور و یجعل لکم نورًا تمشون بـه ، سے مراد اس امام کی پیروی کرو جو عادل ہے اور وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔ جابر انصاری نے بسند معتبر روایت کی ہے کہ کفلین حسنینؑ ہیں اور نور علیؑ ہے۔ فرات نے بھی ابن عباس سے اس مضمون کونقل کیا ہے۔(۸۷)

مومنین کو اس حقیقت اعلیٰ یا حقیقت واحدہ تک پہنچانے کا ذریعہ نور امامت ہی ہے، مولانا حاضر امام نے ایک فرمان میں اس جانب واضح اشارہ فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ خصوصی عبادت کے ذریعے تم اس کے قریب آؤگے جو سب سے اعلیٰ ہے، اس لئے علی کے نور کے ذریعے یعنی

امامت کے نور کے ذریعے تمہیں اس کے قریب آنے کی کوشش کرنی چاہئے جو سب سے بالا تر ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سب سے بالا تر ہستی تک پہنچانے کا ذریعہ نور امامت ہے، حضرت امام سلطان محمد شاہ نے ایک ارشاد میں اس جانب یوں اشارہ فرمایا ہے: مرتضٰی علیؑ کا معجزہ یہ تھا کہ (روح کو) اپنی جگہ پر پہنچائیں۔(۸۸)

مگر اس کے لئے لازم ہے کہ دین کے تمام آداب و اعمال کی بجا آواری کے ساتھ ساتھ اس عبادت، تسبیح اور بندگی کی طرف دھیان دیا جائے جو زمانے کے ہادی کی طرف سے مقرر ہو، اور یہ سب کچھ اس طریقہ اور اصول کے مطابق بجا لایا جائے جو زمانے کے ہادی کی طرف سے معیّن ہو۔ پس **ویجعل لکم نورًا تمشون به** کا واضح اور صاف مطلب یہی ہے۔مولانا حاضر امام کے مندرجۂ ذیل فرمان میں بھی اس مطلب کی واضح عکاسی ہوئی ہے:

> "سینکڑوں برسوں سے ہمارے روحانی بچے امامت کی رسی سے ہدایت حاصل کرتے رہے ہیں۔ آپ تمام معاملات میں ہدایت اور مدد کے لئے زمانے کے امام کی طرف رجوع ہوئے ہیں، اور اپنے روحانی بچوں کے لئے آپ کے امام کی بے پناہ محبت اور شفقت کے ذریعے اُن کے نور نے آپ کی رہنمائی کی ہے کہ روحانی اور دنیوی سکون حاصل کرنے کے لئے آپ کو کہاں اور کس طرف مڑنا چاہئے۔"(۸۹)

اس فرمان میں بھی جو چیز سب سے اہم ہے وہ یہ کہ حاضر امام نے نور کی رہنمائی کا ذکر کیا ہے، امام نے یہ نہیں فرمایا کہ امام نے رہنمائی کی ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ امام کے نور نے رہنمائی کی ہے۔ نور کی رہنمائی جہاں جسمانی معاملات کے لئے ہو تی ہے وہاں اس سے بڑھ کر روحانی معاملات کے لئے ضروری ہے۔ حضرت امام محمد باقر کا یہ قول ہماری دوسری کتابوں میں بھی نقل ہوا ہے جس میں آپ نے ابو حمزہ ثمالی سے فرمایا کہ: اے ابو حمزہ ثمالی تم میں سے کوئی چند فرسخ راستہ طے کرتا ہے تو ضرور ایسا رہبر اور رہنما تلاش کرتا ہے جو راستہ نہ بھولے، اور تم آسمان (یعنی معرفت اور روحانی عالم) کے راستوں سے زمین کے راستوں سے بھی زیادہ جاہل ہو، لہٰذا رہنما تلاش کرو۔(۹۰) حضرت امیر المومنین کا ارشاد ہے: سلونی سلونی قبل ان تفقدونی انّی اعلم بطرق السمٰوٰت من طرق الارض۔ یعنی پوچھ لو پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھے کھو بیٹھو گے اس لئے کہ میں آسمان کے راستوں کو زمین کے راستوں سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔(۹۱) ذیل کی آیت میں یہی حکم موجود ہے: **أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ** (۶:۹۰) یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راستہ دکھایا ہے، پس تم ان ہی کے راستے کی پیروی کرو۔

تفسیر صافی کے صفحہ ۱۵۹ پر بحوالۂ مصباح الشرائع امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ عقلمند مومنوں کے لئے پیروی کرنے سے زیادہ محفوظ کوئی راستہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی راہ کھلی ہے اور منزل مقصود صحیح۔ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ اپنے افضلِ مخلوق محمد مصطفٰیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے فرماتا ہے: **اولٰئك الذین هدی اللّٰه فبهدٰهم اقتده** ۔ پس اگر

خدا کے دین کے لئے کوئی اور راستہ اقتداء (پیروی) سے بہتر ہوتا تو خدا تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء کو اسی کے اختیار کی تاکید فرماتا۔(۹۲)

یہی ہے اللہ تعالیٰ کا مومنین کے لئے نور مقرر کرنا اور مومنین کا اس نور کی روشنی میں معرفت کی راہ پر چلنا۔

۲۲۔ نور اور تعلیم :

توضیحی نوٹ:

سیدنا حسن صبّاح سے منسوب اس مقالے کو ڈاکٹر جلال بدخشانی نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب آغاز و انجام کے آخر میں ضمیمہ بنا کر ۱۹۹۰ء میں ایک سیمنار/ ورک شاپ میں طریقہ بورڈ کے عملے کو فراہم کیا تھا۔ ڈاکٹر جلال اور شرکاء کی خواہش پر شرکاء کی آسانی کے لئے راقم نے کتابِ آغاز و انجام کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، اور ساتھ ساتھ اس مقالے کا بھی ترجمہ کیا تھا اور طوسی ہی کی کتاب تصورات کے اٹھائیسویں تصور کے نام سے موسوم ایک اور مقالے کا بھی اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ متن سے ایسا لگتا ہے کہ یہ مقالہ سیدنا کے عقیدۂ تعلیم سے استفادہ کرتے ہوئے بعد میں کسی اسماعیلی داعی نے مرتب کیا ہے، مگر چونکہ اس مواد میں بعض عبارتوں کا تعلق موضوعِ زیرِ بحث سے ہے، لہٰذا ان عبارتوں کا خلاصہ ذیل میں دیا جا تا ہے، یہ متن کا لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ تلخیص اور انتخاب ہے۔

سیدنا حسن صبّاح کا کہنا ہے کہ: معرفت کا راستہ تعلیم ہے، جس دل میں تعلیم نے راہ پائی اسے خدا کے نور سے ایک حصہ ملا، اور جس قدر وہ زیادہ تعلیم، یعنی امام کی ہدایت قبول کرتا ہے اس قدر اس کے دل کی روشنی

میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جب معرفت حاصل ہوئی تو خدا تک رسائی حاصل ہوئی، اور جب خدا تک رسائی حاصل ہوئی تو ایسے مقام تک پہنچا جہاں تک علم و معرفت کا بھی گزر نہیں۔

راہ دین کی ابتدا تعلیم و معرفت سے ہوتی ہے کیونکہ راہ اور رہنما کے بغیر دنیا میں ہی منزل تک نہیں پہنچ سکتے ہیں تو پھر دین میں کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟ اور معرفت کی یہ تعلیم معلّمِ صادق (یعنی سچے معلم جس کے پاس خدا و رسول کی طرف سے تعلیم کا اختیار ہو) سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے نہ کہ کسی بھی معلّم سے جو کسی کونے سے سر اٹھاتا ہے اور کچھ کہہ کر لوگوں کو بہکاتا ہے۔ حقیقی معلمِ صادق ایک ہی ہوتا ہے جو لوگوں کو نورِ خدا کی جانب راستہ دکھاتا ہے، اور یہی نور کلمۂ توحید ہے، اور کلمۂ توحید کی جانب دنیا میں امام کی دعوت ہی واحد دعوت ہے جو شک و شبہ سے بالا تر ہے۔

واحد معلّم وہ ہوتا ہے جو نور خدا کے ذریعے رہنمائی کرتا ہے، اور وہ خود بھی نور خدا سے متصل ہوتا ہے، اور اس کا پاک نور مومنوں کے دلوں پر روشن ہوتا ہے، اور وہ اس نور کے ذریعے دلوں کو روشن اور زندہ رکھتا ہے، اسے اپنے محق یعنی حق پر ہونے کو ثابت کرنے کیلئے کسی دلیل کی حاجت نہیں، اس لئے کہ اس کا حق پر ہونا پہلے سے ثابت ہے، کیونکہ اس کے مقابلے میں امامت کا کوئی مدعی موجود ہی نہیں، جو کہ لوگوں کو غلط فہمی ہو کہ حق پر کون ہے، اور اصل محق (معلم) کون ہے، چونکہ معلم ہونے کا مدعی ایک سے زیادہ نہیں، پھر اس کے محق (حق پر) ہونے کو ثابت کرنے لئے مزید کسی دلیل اور گواہ کی ضرورت ہی نہیں۔ جب مدعی ایک ہے تو

مزید ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔مثلاً سورج کی روشنی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ سورج موجود ہے، اسے ثابت کرنے کے لئے مزید کسی دلیل کی حاجت ہی نہیں۔ اگر کسی کو سورج نظر نہیں آتا ہے تو اسے اپنی آنکھوں کا علاج کرانا چاہئے۔

پس ہمیں معلوم ہے کہ خدا کا نور مومنوں کے دلوں پر ایک ہی شخص بزرگوار کے ذریعے مؤثر ہوتا ہے۔ ہر چند کہ اس کی جسمانی شخصیت جسمانی اعتبار سے تمام دنیا تک نہیں پہنچتی ہے، تاہم اس کی دعوت کی روشنی تمام دنیا تک پہنچتی ہے۔ نور ایک ہی ہے اور مومنوں کے دل اس نور کی بدولت زندہ ہوتے ہیں، اور اس نور کی دلیل سے اپنے خداوند کو پہچانتے ہیں، اور وہ نور اس شخص (معلم) کے ساتھ معین اور مشخص ہے جس کے ساتھ اور جس کی دعوت کے ذریعے مومنین خدا اور خدائی تک پہنچ جاتے ہیں، اور مومنین جو اس کے متعلم (شاگرد) اور مستجیب (اس کی دعوت کو قبول کرنے والے) ہیں اگر چہ جسم کے اعتبار سے ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، مگر چونکہ حقیقت اور معنی کے اعتبار سے سب کا تعلق اسی نور سے ہے، اس لئے سب مومنین ایک ہوتے ہیں، اور سب کو (بطور نفسِ واحدہ) ایک ہی شمار کیا جا سکتا ہے، اور معنی اور حقیقت کے اعتبار سے ان سب کا تعلق نور توحید سے ہے، کیونکہ ان کے دل ایک ہی معرفت سے آشنا ہوتے ہیں، اور ایک ہی فرد کو پہچانتے ہیں جو ان کے لئے معلّم، داعی اور دلیل راہ ہوتا ہے، اور اسی سے ان کو معرفت اور علم ملتا ہے، اور ان کے لئے لازم ہے کہ اسی کے ساتھ متحد ہوں، اور اس پر ایمان و اعتقاد رکھیں، اور اسی کے ذریعے خدا شناس اور خدا پرست ہوں۔

جب دو آدمی یا کچھ لوگ ایک ہی شخص (معلم، رہنما) پر ایمان لاتے ہیں، اور ایک ہی نور کے ذریعے راہ پاتے ہیں، اور ایک ہی شخص کے ذریعے علم (معرفت) تک پہنچتے ہیں اور ایک ہی شخص کے ساتھ متحد ہوتے ہیں تو گویا وہ شخص ان کا دین بن جاتا ہے، وہ ان کا (روحانی) باپ بن جاتا ہے اور وہ سب (مومنین) ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ مگر سب سے پہلے باپ کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے بچے بھائی بھائی بن جائیں، اور لازم ہے کہ ان کا علم، معرفت اور اعتقاد ایک ہی ہو، اور ایک میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ وحدت عقیدہ کے ذریعے پیدا ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے دو آدمی ایک نہیں ہو سکتے۔

دین اس واحد شخص سے طلب کرنا چاہئے جو خدا کے نور سے پیدا ہوا ہے، اور خدا کے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے، اور نورِ خدا کے ذریعے لوگوں کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ درجۂ انسانیت سے نہ گرے اور اس کی خلقت باطل اور رائگان نہ جائے، اسے چاہئے کہ حق اور محق (صاحبِ حق) کو ڈھونڈے، حق یہی روشنی دینے والا نور ہے، ہر چند کہ وہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

نیز یہ کہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ شناخت ہے اور شناخت تعلیم کے بغیر میسر نہیں آتی، اور تعلیم کے لئے بھی ایک معلم، وقت اور عرصہ درکار ہوتا ہے۔ دینداری اور مومنی دنیوی کاموں سے کم قدر نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ دنیوی کاموں کے لئے بھی کسی استاد کی شاگردی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جولاہے کا کام، موچی کا کام وغیرہ۔ یہ فنون بھی جب تک ایک عرصے تک کسی استاد کے پاس شاگردی نہ کریں، تکلیف نہ اٹھائیں، اوزار نہ ہوں،

مادی وسائل نہ ہوں، نہیں سیکھ سکتے۔ دین کوئی ایسی چیز نہیں جو ہوا میں ہو، اور اسے وہاں سے پکڑا جائے، اور جو چاہے اپنے گھر لے جائے۔ دین کا راستہ تعلیم ہے، سیکھنا لازم ہے، خواہ کسی کے پاس وسائل ہوں یا نہ ہوں۔ کوئی شخص محق (معلم) کی دعوت قبول کرے یا نہ کرے، یا سب لوگ اس کی دعوت کو قبول کریں حق میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، اور نہ حق حقیقت کو کھو دیتا ہے، اور نہ محق محق نہیں رہتا ہے، نقصان لوگوں کا اپنا ہوتا ہے، اگر وہ اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ہیں تو دنیا میں تاریکی میں رہ جاتے ہیں۔

خدا تک پہنچنے کا راستہ معرفت ہے، اور معرفت کا راستہ تعلیم ہے، اور تعلیم کے لئے معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مومن کو نور خدا کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے، اور مومن نور خدا کے ذریعے زندہ ہوتا ہے، اور اس سے ضعیف مومنوں کے دلوں پر نور روشن ہوتا ہے۔ یہ ضعیف مومنین جب مومن کو دیکھنا چاہتے ہیں تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس نور سے جو کہ مولانا کا نور ہے، اور جس کی بدولت مومن زندہ ہے ان ضعیفوں کو بھی حصہ ملے اور اس روشنی سے ان کے دلوں کو تقویت پہنچے۔

اور سیدنا (حسن) کی دعوت اور محقوں (یعنی اماموں) کی باتیں ان دو مختصر جملوں پر مشتمل تھیں کہ دنیا میں ایک حق ضرور موجود ہے، اس حق کی علامت وحدت ہے، اور وحدت تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، اور تعلیم ایک ایسے معلم سے حاصل ہوتی ہے جو نظر آئے، یعنی حاضر ہو، اور بات یہی حق ہے، ہم حق کے ذریعے محق (صاحبِ حق) کو پہچانتے ہیں، اور جب محق کو پہچان لیا تو اس کے لئے تسلیم کرنا لازم ہے، اور خود کو اس کے سپرد کرنا چاہیئے، یہاں مومن کو تسلیم کی راہ اختیار کرنی چاہیئے، اور ہر اعتبار

سے اپنے اختیار سے دست بردار ہوجائے، اور اپنے آپ کو محق کے حوالے کرے، اور وہ جو بھی کہے، یا کرے اس پر دل میں شک پیدا نہ کرے (۴: ۶۵)، اس کے بعد دوسرے سب کام آسان ہوجائیں گے۔ تعلیم یعنی امام کی ہدایت قبول کرے، دعوت کی باتیں سن لے، اور اس کے مطابق معرفت حاصل کرے۔ تاہم حقیقی تسلیم مشکل ہے، مگر جب تک تسلیم نہیں کرے گا دعوت قبول نہیں کر سکے گا۔(۹۳)

۲۳۔ نور اور اس کے ساتھ اتحاد کی حقیقت :

توضیحی نوٹ :

یہ ایک مقالہ ہے جسے طوسی کی کتاب روضۂ تسلیم کا اٹھائیسواں تصور سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ ایک سوال کا جواب ہے جو کسی خواجہ محمد با سعید نے امام اعلیٰ محمد یا علاء الدین محمد سے پوچھا تھا۔(۹۴) اس مقالے کا فارسی متن اور انگریزی ترجمے کو اب ڈاکٹر جلال نے روضۂ تسلیم کا انگریزی ترجمہ *Paradise of Submission* (London, NY, 2005, pp. 213-220) میں شائع کیا ہے۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ: ہم نے اپنی ہستی کو مولا کے حوالے کیا ہے، اور ہمارا اپنا کوئی وجود نہیں، سب کچھ وہی ہے، لہٰذا ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں، ہمارا ہر قول اور فعل اسی (یعنی امام) کا ہے، مگر عمل وہ کچھ نہیں کرتے ہیں، یعنی بے عمل ہیں۔

مقالے کے آغاز میں ہی ان کے اس عقیدے کی سختی سے تردید کی گئی ہے، اور جماعت کو خبردار کیا گیا ہے کہ ان کی باتیں نہ سنیں، اور

فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے ہمارے نام کو ایک دام بنایا ہے جس کے ذریعے وہ جماعت کے کمزور افراد کو گمراہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد خواجہ محمد یا سعید کو مزید سمجھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ: لوگ جسم کے اعتبار سے جسمانی عالم کے فرزند ہیں اور روح کے اعتبار سے روحانی عالم کے فرزند ہیں، جس طرح جسم کی پرورش جسم کے لئے موزوں اشیاء (غذا) پر منحصر ہے، روح کی پرورش روح کے لئے موافق اشیاء پر منحصر ہے۔ جس طرح بدن جسمانی غذا کے بغیر پرورش نہیں پاتا، روح بھی اپنے لئے موزوں غذا کی جستجو کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔ جب روح کو مناسب اور موزوں غذا نہیں ملتی ہے تو نا مناسب غذا استعمال کرتی ہے، جس کے نتیجے میں اس سے اس قسم کے برے اور شیطانی خیالات و افعال ظاہر ہوتے ہیں۔

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں، ایک وہ قوت جو جسمانی سورج کے توسط سے شکلوں اور رنگوں میں فرق کرتی ہے، اور دوسری وہ قوت جو روحانی سورج (ہادی) کے توسط سے حق کو باطل سے اور محق کو مبطل سے جدا کرتی ہے، اور جو قوت محسوس رنگوں اور شکلوں کو معلوم کرتی ہے اسے باصرۂ جسمانی یعنی جسمانی بینائی کہا جاتا ہے، اور جو قوت محمود (قابل تعریف چیز) و مذموم (قابل مذمت چیز)، حق و باطل اور خیر و شر میں فرق کرتی ہے اسے عقلی بینائی کہا جاتا ہے۔

ظاہری اور جسمانی سورج جسمانی بینائی (آنکھ) پر روشن ہوتا ہے، یہاں تک کہ جسمانی بینائی اس جسمانی سورج کی مدد سے جسمانی اشیا کو دیکھ لیتی ہے اور پوری دنیا اس کی جسمانی بینائی کے نیچے آتی ہے، اسی

طرح روحانی عالم کا سورج روحانی بینائی پر روشن ہوتا ہے جسے روح کی قوت ناطقہ کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے وہ خیر و شر اور حق و باطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔

اگر جسمانی بینائی جسمانی سورج کے ساتھ متحد نہیں ہوئی تو کوئی بھی چیز نظر نہیں آتی ہے، اور جب اس کے ساتھ متحد ہوئی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنکھ خود سورج بن گئی۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ جو آنکھ جسمانی سورج کے ساتھ متحد ہوئی وہ خود سورج ہے، پھر تو لازم تھا کہ وہ سورج کی مدد کے بغیر بھی چیزوں کو خود بخود دیکھ لیتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ آنکھ کے پاس جتنی بینائی ہے اس کا تعلق بھی سورج سے ہے۔ مگر سورج جو عالم اور اہل عالم کو روشنی دینے والا ہے کسی شخص کی بینائی کا محتاج نہیں ہے۔ اگر تمام جہانوں کی لا انتہا بینائیاں بھی جمع ہوجائیں تو وہ سب بینائیاں ملکر بھی سورج نہیں بن سکتی ہیں، پس سورج کی روشنی کے بغیر کسی بھی آنکھ میں کوئی بینائی نہیں ہوتی ہے۔

پس جس شخص کی روحانی بینائی (چشمِ باطن) روحانی عالم کے سورج کے نور سے متحد ہوئی اور اس کے نور کے ذریعے حق کو باطل سے اور پیشوائے برحق کو پیشوائے باطل سے پہچان لیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ وہ خود نور بن گیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نورِ معرفت سے پیوستہ ہوا ہے۔

اسی طرح جسمانی آنکھ جسمانی سورج سے جدا ہو کر خود سورج نہیں ہے، تاہم سورج کے توسط سے وہ بینا اور روشن ہے، اور روشن اسلئے ہے کہ وہ سورج کے نور کے ساتھ متحد ہوئی ہے، اگر اس کی بینائی اور سورج کی

روشنی کے درمیان حجاب حائل ہوا تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا، چنانچہ اگر مومن بھی دین کے روحانی سورج (امام) کے ساتھ (روحانی طور پر) متصل نہیں رہا تو حق و باطل میں بالکل فرق نہیں کر سکے گا۔

جسمانی سورج کے ساتھ متحد ہونے کی علامت یہ ہے کہ آنکھ اور سورج کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ جس طرح جسمانی سورج کا حجاب زمین کا سایہ، کوئی تاریک مکان، بادل وغیرہ ہوسکتا ہے اسی طرح عالم دین کے سورج (امام) کے بھی حجابات ہیں۔ آفتابِ دین کی روشنی کے سامنے نفسِ امّارہ کی خواہشات ہی حجاب بن جاتی ہیں۔ پس جسمانی سورج کے ساتھ متحد اور متصل ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے سامنے سے تمام سایے ہٹ جائیں اور آنکھ کی بینائی سورج کے شفاف نور کے ساتھ متصل ہو۔ اسی طرح نورِ حقیقی کے ساتھ اتصال اور روحانی عالم کے سورج (امام) کے ساتھ اتحاد کی علامت یہ ہے کہ مومن اپنی ہر ذاتی خواہش اور ارادہ اور وجود کو مکمل طور پر اس (امام) کے سپرد کر لے۔

اس (مومن) کا قول و فعل اس (امام) کے امر و رضامندی کے مطابق ہو، یہاں تک کہ اس کا قول امام کے قول اور اس کا فعل امام کے فعل کے تابع ہوگا، صرف اتنا نہیں بلکہ اس کی تمام حرکات و سکنات بھی امام کے امر و رضا کے تابع ہوں۔ جب ایسا ہوگا تو اس کی مثال یوں ہوگی کہ اس کی جسمانی بینائی بغیر کسی حجاب کے مکمل اور صاف طور پر نور آفتاب کے ساتھ متصل ہوئی ۔ اور وہ (مومن) بھی اسی طرح سے ہی تمام دنیوی حجابوں اور خواہشات نفس سے پاک و صاف ہو کر آفتاب عالم دین کے نور کے ساتھ متحد اور متصل ہوجائے گا۔

جب تک وہ اپنی خودی اور خواہشات کو آفتاب عالم دین (امام) کے امر و رضا کے ماتحت نہیں کرے گا اور خود کو اور اپنی انا کو جو اس کی خواہشِ نفس ہے نیست نہیں کرے گا، نورِ محبت اور نورِ معرفت کی پاکیت تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اتحاد اس طرح ہوتا ہے جس طرح سلمان نے کہا ہے کہ: ”میں نے اپنی خواہش پر علی کی خواہش کو ترجیح دی“۔ مگر یہاں یوں نہیں کہا کہ” میں اپنے جسم و شکل کے ساتھ علی کے ساتھ متحد اور متصل ہوا ہوں“

تو اپنی آنکھ کو دیکھتا ہے، اور سورج کو بھی دیکھتا ہے، اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ تیری بینائی اسی سے ہے۔ تو پھر کس طرح کہتا ہے کہ میں خود سورج بن گیا ہوں، جب کہ تو اپنے آپ کو ایک مخصوص شکل میں ایک شخص کے طور پر دیکھتا ہے، مثلاً آنا، جانا اور کام کرنا۔ نیز تیرے اندر ایک محبت موجود ہے جسے آفتاب خداوندی کے نور معرفت سے مدد ملتی ہے، جس طرح وہ شخص جو جسمانی آنکھ سے دیکھتا ہے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خود سورج ہوں، اسی طرح وہ شخص بھی جو آفتاب عالمِ دین (امام) کے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں عالمِ دین کا سورج یعنی امام بن گیا ہوں۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ تو از خود کچھ بھی نہیں، مگر اس (امام) کے ساتھ ملکر سب کچھ ہے، جیسا کہ جسمانی آنکھ بذاتِ خود کچھ بھی نہیں دیکھتی، مگر سورج کے ساتھ مل کر سب کچھ دیکھتی ہے۔ آنکھ سورج کی روشنی میں دیکھتی ہے مگر وہ خود سورج نہیں ہے، اسی طرح مومن کا امام کے ساتھ (روحانی اعتبار سے) اتحاد اور اتصال ہوتا ہے، مگر وہ خود امام نہیں بنتا، اس کے بغیر نہ وہ دیکھنے والا ہے اور نہ جاننے والا ہے، یہی ہے نور کے ساتھ

اتحاد و اتصال کی حقیقت۔ ان کی بات کا مطلب یہی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک امام بن گیا ہے۔

جہاں تک ان کے یہ کہنے کا تعلق ہے کہ جسطرح حقیقی خدا شناسی مردِ خدا (یعنی امام) کے توسط سے ہوتی ہے اسی طرح حقیقی امام شناسی مردِ امام (یعنی حجت، پیر) کے توسط سے ہوتی ہے، تو یہ بات کلی اعتبار سے درست نہیں ہے، ورنہ مردِ امام (حجت، پیر) کی شناخت حاصل کرنے کے لئے ایک اور شخص کی شناخت کی ضرورت ہوگی، اور اسطرح ایک لا انتہا تسلسل پیدا ہوگا، جو محال ہے۔

پس یہاں مختصراً جو بات جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ معرفت میں ہر شخص کا ایک جداگانہ مقام ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کے لئے ایک معین ٹھکانہ ہے (۳۷: ۶۴)، سب سے بلند مقام وہ ہے کہ خدا کی معرفت خدا ہی کے توسط سے حاصل کی جائے، جیسا کہ ارشاد ہے: اللہ تعالٰی نے خود گواہی دی کہ بیشک اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (۳: ۱۸) مگر یہ مقام مرد خدا (انسان کامل، امام) کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا، کیونکہ وہ خدا کے امر اور کلمہ کا مظہر ہے اور خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔ اس کا ایک رخ خدا کی طرف ہے اور ایک رخ مخلوق کی جانب، جو رخ خدا کی طرف ہے اس کے ذریعے خدا کو پہچانتا ہے اور جو رخ مخلوق کی جانب ہے اس کے ذریعے مخلوق کو خدا تک پہنچا دیتا ہے اور لوگ اس (انسان کامل، امام) کی معرفت کے ذریعے خدا شناس بن جاتے ہیں۔ چونکہ امر اور کلمہ عالم وحدت سے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: اور ہمارا امر ایک سے زیادہ نہیں ہے (۵۴: ۵۰)

مرد خدا بھی ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے جو مطلق یگانہ ہے جس کا دنیا میں کوئی نظیر و شریک نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا مقام وہ ہے کہ خدا کو مرد خدا (امام) کے ذریعے پہچانتے ہیں اور یہ رتبہ اور درجہ ابواب اور حجتان اعظم کا ہی ہو تا ہے، اور وہی قابل اول یعنی مرد اول (امام) سے براہ راست تائید قبول کرنے والے ہیں، وہ مرد اول (امام) سے جو تائید قبول کرتے ہیں اسے باقی مخلوق تک پہنچاتے ہیں، کیونکہ ان کے اور خدا کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ ہے جو امام ہے، پس وہ خدا کو اس واحد واسطہ کے ذریعے پہچانتے ہیں، حجتوں (یا پیروں) کی تعداد ہر زمانے میں ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے، مگر امام زمان کے ظہور کے زمانے میں یہ جماعت ستر میں ہوتی ہے، جیسا کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ستارے نظر نہیں آتے ہیں، اور نہ وہ روشنی دے سکتے ہیں۔ حجت (یا پیر) کی تقرری اس وقت ہوتی ہے جب ائمہ مستور ہوتے ہیں۔(۹۵)

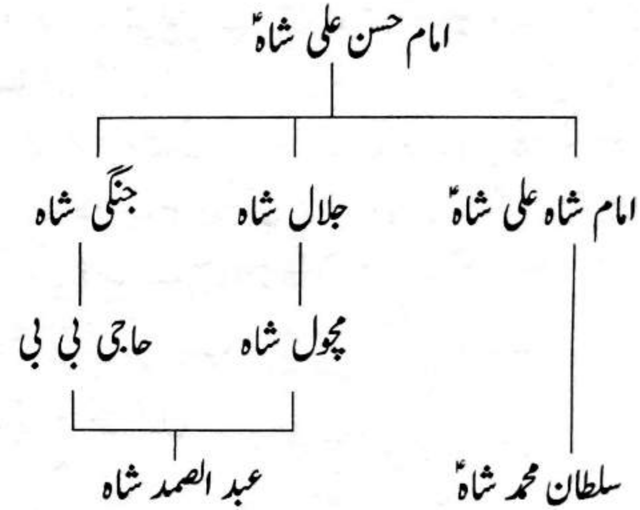
۲۴۔ نور کی پہلی کرن

یعنی آقا عبدالصّمد شاہ الحسینی کی نصیحتیں

نور کی پہلی کرن ان چند نصیحتوں کا مجموعہ ہے جو آقا عبد الصّمد شاہ الحسینی نے آج سے پونے ایک صدی پہلے ۱۹۲۲ء میں اپنے شمالی علاقہ جات کے دورہ کے دوران ہنزہ کی جماعت کو فرمائی تھیں۔ شمالی علاقہ جات اور خاص طور پر ہنزہ کے لوگ آقا عبدالصّمد کو انتہائی قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران سے امامت کی گدّی ہندوستان

منتقل ہونے کے بعد آپ اوّلین نمائندہ تھے جو ہندوستان سے امام زمانہ کی جانب سے باقاعدہ ہدایت و رہنمائی کے اختیار کے ساتھ ان علاقہ جات کی جانب آئے تھے۔

آقا عبدالصمد کون تھے؟ ان کے بارے میں چند باتیں جاننے کی ضرورت ہے۔ آقا عبدالصمد آقا مچول شاہ اور آغاخان اول کا بیٹا آقا جنگی شاہ کی بیٹی حاجی بی بی کے فرزند تھے۔ آقا مچول شاہ خود بھی جلال شاہ بن حسن علی شاہ آغاخان اول کا بیٹا تھا۔ ان کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:



آقا صمد شاہ کی والدہ حاجی بی بی نے امام سلطان محمد شاہ کے خلاف ۱۹۰۸ء میں بمبئی ہائی کورٹ میںایک مقدمہ دائر کیا تھا جو اسماعیلی تاریخ میں حاجی بی بی کیس کے نام سے معروف ہے جس میں حاجی بی بی کی حمایت ایران کا ایک منحرف اسماعیلی مراد میرزا کر رہا تھا۔ مدعیوں کو آغاخان اوّل کی جائداد میں اپنے حصے سے متعلق بعض مالی شکایات تھیں اور

انھوں نے موجودہ آغاخان کی حیثیت اور آمدنی پر بھی دعویٰ کیا تھا۔ حاجی بی بی اور اس کی جماعت یہ کیس ہار گئے اور فیصلہ امام سلطان محمد شاہ کے حق میں ہوا۔ تا ہم بعد میں آقا عبدالصّمد نے امام سلطان محمد شاہ کے ساتھ اپنے اختلافات ختم کئے تھے اور امام نے کم از کم ایک مرتبہ انہیں ایک اہم مذہبی مشن سپرد کیا تھا جو شمالی علاقہ جات کی جماعت سے متعلق تھا۔(۹۶)

آقا عبدالصّمد برٹش حکومت میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے بیس سال انڈین آرمی میں گزارے اور جنگ عظیم اول کے زمانے میں عراق میں بھی برٹش فوج کے ساتھ خدمات انجام دیں۔ آپ ۱۹۲۱ء میں حکومت برطانیہ ہند کی جانب سے ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں گلگت اور ہنزہ سے ہوتے ہوئے کاشغر گئے۔ جاتے وقت آپ نے اپنی شناخت اور امام کے مشن کا اظہار نہیں کیا۔ جب وہاں سے ۱۹۲۲ء میں واپس آئے تو آپ نے اپنی شناخت کو ظاہر کیا اور ہنزہ میں جماعت کو امام عالی مقام کی ہدایات و ارشادات سے آگاہ کیا اور جماعت کو پند و نصیحت بھی کی۔ آپ نے جماعت کو جماعت خانے بنانے کی ہدایت کی اور یقین دلایا کہ آپ واپس جا کر جماعت کی پسماندہ حالت کی مفصل رپورٹ امام کے حضور میں پیش کریں گے۔ آپ کی آمد کے بعد امام زمانہ کے ساتھ جماعت کے رابطے کا آغاز ہوا، آپ ہی کی رپورٹ کے نتیجے میں امام نے پیر سبز علی کو ان علاقہ جات کی طرف بھیجا جس سے آقا عبدالصّمد کے مشن کو تقویت ملی اور جماعت میں بھی ایک نئی مذہبی اور سماجی زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔

ہنزہ کے بزرگوں کے بقول اس موقع پر آپ نے ایک پیشگوئی بھی کی تھی جو حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ آپ نے کریم آباد ہنزہ کے شاہی پولوگراؤنڈ کے اسٹیج پر جماعت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''آج تم نے اس جگہ نور کی صرف ایک کرن دیکھی ہے، کل تم اسی جگہ نور کا سورج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے''۔ آپ کے یہ جملے ہنزہ کے اکثر لوگوں کو اپنے بزرگوں کے توسط سے اب بھی زبانی یاد ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے بعض سماجی اور مذہبی کاموں میں بھی جماعت کی رہنمائی کی۔ لوگوں کو موت اور شادی بیاہ کے موقع پر اسراف اور فضول خرچی کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ مثلاً ان کی آمد سے قبل ہنزہ کے لوگ موت کے موقع پر بطور خیرات کھانا پکا کر بے تحاشا خرچ کرتے تھے، جس کے نتیجے میں لوگوں کی زمینیں اور جائدادیں بک جاتی تھیں، جس سے پس ماندگان ایک نئی پریشانی سے دوچار، بلکہ دربدر اور محتاج ہوتے تھے۔ آپ نے اس رسم کی سختی سے ممانعت کی اور مذہبی رسمِ چراغِ روشن کے لئے خرچہ کی حد مقرر کی، جو ایک گوسفند (بھیڑ یا مینڈھا یا بکری یا بکرا)، ایک چُق (تقریباً آٹھ کلو) گندم اور پانچ پاؤ دیسی گھی تھی، اور اس سے زیادہ خرچ کرنے کی سختی سے ممانعت کی۔ اس ہدایت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت نے موت کے اخراجات کو مذکورۂ بالا اشیا تک محدود کر دیا اور لوگوں کی جائدادیں فروخت ہونے سے بچ گئیں۔

آپ کی پیشگوئی ۳۸ سال بعد اس وقت حرف بحرف درست ثابت ہوئی جب ۱۹۶۰ء میں آفتابِ امامت مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی امامت کی تاریخ میں پہلی بار ہنزہ تشریف لے آئے اور اسی پولوگراؤنڈ میں اسی اسٹیج پہ تشریف فرما ہو کر جماعت کو اپنے دیدار اور فرمان سے نوازا۔

آقا عبدالصّمد شاہ واپسی پر ہنزہ سے گلگت گئے اور وہاں سے براستۂ غذر شندور عبور کرتے ہوئے چترال کی جانب اپنا سفر جاری رکھنا چاہتے تھے مگر اثنائے سفر گلگت سے پونیال جاتے ہوئے بیمار ہوگئے۔ آپ نے پونیال سے چٹور کھن اشکومن جاکر بیماری کے دوران مکھی سید جلال علی شاہ صاحب کے پاس قیام کیا۔ کئی دنوں بعد آپ صحت یاب ہو گئے۔ جاتے وقت آپ نے مُکھی سیّد جلال علی شاہ کو بتایا کہ میری خواہش تھی کہ یہاں پر میری زیارتگاہ بنے، لیکن مالکِ حقیقی کو شاید منظور نہیں تھا، اس نے مجھے پھر سے زندگی عطا فرمائی(۹۷) بدقسمتی سے چٹور کھن میں آپ کی سرگرمیوں اور پند و نصیحت کا کوئی ریکارڈ راقم کو نہیں ملا۔

ان چند تعارفی کلمات کے بعد اب مزید دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ ہم نے اس حصے کا نام کیوں ''نور کی پہلی کرن'' رکھا، اور دوسری بات یہ کہ یہ نسخہ ہمیں کہاں سے ملا؟

جہاں تک پہلی بات کا تعلّق ہے، جیسا کہ ذکر ہوا آقا عبد الصّمد شاہ نے جنہیں ہنزہ کے لوگ احتراماً آغا صاحب یا آغا بزرگ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اپنے بارے میں خود ہی ''نور کی کرن'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کی ہدایات اور پند و نصائح کو نور کی کرن کا نام دیں، اور چونکہ آپ امامت کی گدّی ہندوستان منتقل ہونے کے بعد خاندان امامت سے تعلّق رکھنے والے پہلے سفیرِ امام تھے جن کا قدم مبارک اس سرزمین پر پڑا تھا، اور اس کے بعد ان علاقوں میں واقعی دین اور علم کی روشنی پھیلی، اس لئے یہ کہنا بھی مناسب نظر آیا کہ آپ واقعی نور کی پہلی کرن تھے، اور یہ کہنا اس لئے بھی درست ہے کہ انہوں نے

اسٹیج پہ پیر رکھ کر جو فرمایا تھا کہ اسی جگہ پر آفتاب امامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، تو وہ بھی درست ثابت ہوا۔ چنانچہ کتاب کے اس حصے کو ہم نے نور کی پہلی کرن کہا۔ اب آتے ہیں اس بات کی جانب کہ یہ نسخہ ہمیں کہاں سے ملا؟

تقریباً سات آٹھ سال قبل طریقہ بورڈ کی پرانی الماریوں سے کچھ مواد ضائع کرنے کے لئے نکالا گیا۔ اتفاقاً میری اور محترمہ الواعظہ فریدہ تیغون شاہ کی نظر اس مواد پر پڑی۔ اس میں چند گجراتی نسخے تھے جن کو فریدہ صاحبہ نے اٹھالیا اور کتاب **تحفة الکرام** کا ایک نہایت عمدہ نسخہ اور خاکی رنگ کی ایک فائل کو میں نے اٹھالیا۔ اس فائل میں دو قلمی نسخے تھے، ایک میں آغا صاحب کی نصیحتیں تھیں اور دوسرا کتاب **خیر الشرع** کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ خیر الشرع کے نسخے عام طور پر ہمارے خلیفوں کے پاس پائے جاتے ہیں، اور راقم السطور کے پاس بھی اس کی کچھ فوٹو کاپیاں موجود ہیں۔ تاہم آغا صاحب کی نصیحتیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

مگر جیسا کہ محترم قاری کے سامنے ہے، مواد نہایت مختصر تھا، اس لئے کتابچہ کی صورت میں الگ سے شائع کرنا ممکن نہیں تھا۔ صرف کسی کتاب کے ضمیمہ کے طور پر ہی شائع کرنا ممکن تھا۔ اب چونکہ ہم نے خداوند زمین و زمان کے حول و قوت کی بدولت نور کے موضوع پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند کیا ہے۔ اس لئے موقع کو غنیمت جان کر ان نصائح کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ تمام عقیدت مند اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، اور اس کا ایک نسخہ اپنے پاس رکھنا خیر و برکت کی علامت سمجھیں گے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ میرے سامنے جو فائل ہے اس کے کور پر انگریزی میں نیلی روشنائی سے " سلامت شاہ، ایم۔ اے۔ فائنل، ڈیپارٹمنٹ آف پرشین" لکھا گیا ہے۔ صفحہ۲۷ پر " این کتاب خلیفہ میرزا خان" (یہ خلیفہ میرزا خان کی کتاب ہے) لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۴۱ کے حاشیے پر " این کتاب از مال خلیفہ محمد امان است، اگر کسی دعوا [دعویٰ] کند دعوائے او باطل باشد" (یہ کتاب خلیفہ محمد امان کی ملکیت ہے، اگر کوئی دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہوگا) لکھا گیا ہے، اور نیچے دستخط بھی ہے۔ مگر آخری ورق پر دوبارہ "این کتاب خلیفہ میرزا خان" (یہ خلیفہ میرزا خان کی کتاب ہے) لکھا گیا ہے اور اس کے نیچے "این کتاب از مال خلیفہ داور خان ولد میرزا خان" (یہ کتاب خلیفہ داور خان ولد میرزا خان کی ملکیت ہے)، مرقوم ہے۔ بہر حال نسخہ جس کسی کی بھی ملکیت ہو، اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے اور قاری کو اس کی اچھی اچھی باتوں سے مستفید کرے۔ اس کے علاوہ یہ بات معلوم نہیں کہ یہ نسخہ کس طرح اور کس کے ذریعے طریقہ بورڈ کے آفس تک پہنچا تھا۔

ہم نے فارسی متن شائع کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں، پہلی وجہ یہ کہ اس کتاب کے اردو خوان اور اردو دان قارئین کو اس سے کوئی اضافی فائدہ نہیں ہوتا تھا صرف کتاب کی ضخامت میں اضافہ ہوتا تھا، دوسری وجہ یہ تھی کہ آغا صاحب کی نصائح کو جس شخص نے ریکارڈ کیا ہے اس کی زبان نہایت خام ہے، گرامر وغیرہ کا کوئی لحاظ نہیں۔ زبان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ راوی نے آغا صاحب کی باتوں کا مفہوم ذہن میں رکھا ہے اور پھر اسے کچھ اپنے اور کچھ آغا صاحب کے الفاظ میں بیان کیا

ہے، اس صورت میں اس متن کو شائع کرنے میں کوئی اضافی فائدہ نظر نہیں آیا، چنانچہ ترجمہ پر ہی اکتفا کیا گیا۔ آغا صاحب کی نصیحتیں حسب ذیل ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلوٰۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ وَ آلِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

اما بعد، جان لو کہ یہ وہ نصیحت نامہ ہے جسے زبانِ غیب، دریائے رحمت کے موتی، رسول صلعم کے پاک و مقدس خاندان کا نمائندہ، ہمارے مولا و آقا حیدر کرّار کے باغ کا سرو، آقا شاہ عبدالصّمد الحسینی نے ماہ جمادی الآخر کی چار تاریخ، ۱۳۳۹ھ کو بروز بدھ، برجِ دلو کی پندرہ تاریخ میں ارشاد فرمایا۔ خاندان نبوت و ولایت کے موتی وعظ و نصیحت کی کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی زبان دُرفشاں میں چند شرائط کے ساتھ ان قیمتی موتیوں کو بکھیر دیا:

کریم آباد میں پہلے دن کی نصیحت:

یہ کہ اے مولانا کی جماعتِ مؤمنین، جان لو اور آگاہ ہو جاؤ، میں آپ مؤمنین کو وعظ و نصیحت کی چند باتیں بتاؤں گا۔ سب سے پہلے دین ہے، دین عربی زبان میں قرض کو کہا جاتا ہے(۹۸)، اور دین کا قرض ادا کرنا آپ مؤمنین اور (تمام) اسماعیلی جماعت پر فرض ہے۔ مثلاً اگر آپ پر کسی کا قرض ہو تو آپ دن رات اس قرض کو اتارنے کی فکر میں ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ میں کسی نہ کسی طرح قرض ادا کروں۔ پس آپ مؤمنین پر لازم ہے کہ دین کا قرض ادا کرنے کے لئے بھی دل و جان

سے کوشش کریں۔ دنیا کا قرض ادا کرنا آسان ہے، مگر دین کا قرض ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ تمہاری عمر چالیس سال ہو یا ساٹھ سال یا سو سال یا ایکسو بیس سال، تم خود کو (دن کے وقت) غلط کاموں اور ناپائدار اور غدار دنیا کے کاموں میں مصروف رکھتے ہو، اور رات کو یا مولا یا مولا کہتے ہو، اسی طرح یا مولا کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ملے گا، بلکہ لازم ہے کہ کچھ ایسے کام بھی کرو جن سے ہمارے مولا جن کا نام بہت بزرگ اور عظیم ہے راضی اور خوش ہوں، پھر اس کے بعد یا مولا کہو تاکہ ہمارے مولا جن کا ذکر بہت بزرگ ہے، کی عنایتِ عام سے بہرہ ور ہوجاؤ گے اور فائدہ پاؤ گے، جیسا کہ ایک ایرانی شاعر نے کہا ہے:

مباش در پی آزار و هرچه خواهی کن
که در طریقت ما غیر ازین گناهی نیست

ترجمہ: لوگوں کی دلآزاری مت کرو، اس کے علاوہ جو بھی چاہو کرو، اس لئے کہ ہمارے طریقے میں لوگوں کی دل آزاری سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اب اس بیت کی وضاحت کی جاتی ہے:

اوّل: اس کے پہلے معنی یہ ہیں کہ مؤمن بھائیوں اور مخلوق خدا کو تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرو۔

دوم: جھوٹ مت بولو۔

سوم: یتیموں اور غریبوں کا مال نا حق مت کھاؤ، بلکہ یتیموں، غریبوں اور ان لوگوں پر رحم کرو جو تمہارے ماتحت ہیں۔

چہارم: ادھر کی بات ادھر لے جانے اور چغلخوری کرنے سے پرہیز کرو اور

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر جھوٹ اور تہمت مت باندھو۔

پنجم: بغض اور حسد مت کرو۔

ششم: مؤمن بھائیوں اور دوسروں کی غیبت مت کرو۔

ہفتم: زنا سے پرہیز کرو اور تمام عورتوں کو اپنی حقیقی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی طرح سمجھو خواہ وہ غیر دین یعنی غیر اسماعیلی ہی کیوں نہ ہوں۔

ہشتم: صاحب زمانہ کے بندوں، یعنی امام کے مریدوں پر ظلم مت کرو۔

نہم: والدین کا ادب کرنا اولاد پر فرض ہے اور والدین پر بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ مہر و محبت کا سلوک کریں اور ان کی پرورش کریں۔

دہم: عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کیلئے کوشش کریں اور شوہروں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی پوری پوری کوشش کریں۔

گیارہواں: چوری سے پرہیز کرو۔

بارہواں: حیوانوں کو تکلیف مت دو اس لئے کہ جان شیرین ہے (خواہ وہ حیوانوں کی بھی کیوں نہ ہو)۔

تیرہواں: ہمسایوں اور یتیموں کو بھوکا مت رکھو، میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہر روز ان کا پیٹ بھر لو، بلکہ سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ یا تین دفعہ یا چار دفعہ ان کا پیٹ بھر لو اور کپڑے پہناؤ، دین کا قرض ادا کرنا یہی ہے۔

---- اے گروہ اسماعیلیہ و جماعت مولانا جلّ ذکرہ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم مولا کے مؤمنوں پر لازم ہے کہ دائمی نماز پڑھنے اور دائمی روزہ رکھنے کی کوشش کرو۔ اور دائمی نماز و روزہ یہ ہے کہ اوّل زبان کو بد

گوئی سے روکو، اور آنکھ کو بد نظری سے ہمیشہ کے لئے روکو، اور کان کو بد گوئی سننے سے روکو، اور ہاتھ کو کسی ممنوع چیز کو اٹھانے اور برا کام کرنے سے روکو، اور منہ کو حرام کھانے سے روکو، اور پاؤں کو بری راہ پر چلنے سے روکو، اور دل کو بغض و حسد اور کینہ و دشمنی سے روکو۔ جو شخص ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہے اور اپنے مولا کی یاد سے غافل نہیں ہوتا تو یہ اس کی دائمی نماز اور روزہ شمار ہوگا۔

نیز اے مؤمنین، جو شخص یہ تمام شرائط بجا نہیں لاتا جن کا ذکر ہوا اور غفلت کی وجہ سے انہیں بھول جاتا ہے تو کل قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔ فرمایا گیا ہے کہ: وَتَزَوَّدُوا الدُّنْيَا بِقَدْرِ سُكُونِكُمْ فِيهَا وَ تَزَوَّدُوا لاٰخِرَةِ بِقَدْرِ مَسْكَنِكُمْ فِيهَا۔ یعنی دنیا کی زاد راہ اتنا لے لو جتنا کہ اس میں تمہاری سکونت ہے اور توشۂ آخرت اتنا لے لو جتنا کہ اس میں تمہاری سکونت ہے۔

سفرِ دنیا کا توشہ آسان ہے، مگر سفر آخرت کا توشہ حاصل کرنا سخت مشکل ہے، اور آخرت کا سفر بہت دور اور لمبا ہے اور خطرناک ہے۔ اگر ان شرائط کو بجا لاؤ گے تو منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے، اور ان قیمتی موتیوں کو دل کے صندوق میں ذخیرہ کرو اور اپنے مولائے وقت کی یاد سے غافل مت ہوجاؤ، ہمیشہ اور ہر وقت ہمارے مولا کے ذکر و فکر میں مشغول رہو، یہی توشۂ آخرت ہے۔ اور مولا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر مسافروں کی مہمانداری کرو، اور تم مومنین کے لئے جن شرائط کا میں نے ذکر کیا انہیں بجا لانے کے لئے سعی اور کوشش کرو۔ مگر اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کسی پہاڑ پر جا کر دن رات عبادت کرو اور دنیا کا کام

چھوڑدو اور اپنی بیوی بچوں کو رنج و مصیبت میں گرفتار کرو، بلکہ اس دنیا کی آبادی اور کار و بار کے لئے بھی کوشش کرو، اس لئے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، تم جو بھی چیز مولا کی رضا مندی حاصل کرنے کی خاطر خرچ کروگے آخرت میں اس کا اجر پاؤگے۔

اس درّ یگانہ بی بہا کی دوسرے دن کی نصیحت :

اے مؤمنین، اس سے پہلے تم اندھے تھے، میں نے اپنی وعظ و نصیحت کے ذریعے تمہاری آنکھوں کو بینا بنا دیا، اس کے بعد کسی ماہر طبیب کو نہیں دیکھو گے، پوری احتیاط کے ساتھ اپنی آنکھوں کی حفاظت کرو، اگر غفلت کروگے تو دوبارہ اندھے ہوجاؤگے، دوبارہ ایسا سچا اور ماہر طبیب کا ملنا مشکل ہے، پھر ابد الابد تک اسی طرح اندھے رہ جاؤگے۔ نیز آپ مومنین کے سامنے دو راستے ہیں، ایک راستے میں گہرا کنواں ہے، جس راستے میں گہرا کنواں ہے اس سے بچو اور پرہیز کرو اور ہشیار بنو، اور سیدھے راستے پر چلو، جس میں نیکی ہے، انشا اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک پہنچ جاؤگے۔

اے مولا کے مومنین! میں نے تمہارے دلوں کی زمین میں ایک اچھا بیج بویا ہے، اور ایک اچھا درخت اگایا ہے، پس تم پر لازم ہے کہ اس فائدہ مند درخت اور اس پُر بہرہ کھیتی کو سیراب کرو اور اس کی دیکھ بھال کرو جس سے تم مومنین کو فائدہ ملے گا اور اس فائدہ مند درخت سے اپنے مقصد کا پھل حاصل کروگے، اور اگر غفلت کی تو کھیتی بے بہرہ اور درخت بے پھل رہے گا، اس وقت پریشان حال ہوجاؤگے، اور گزرے ہوئے کاموں پر پشیمان ہونا بے فائدہ ہے۔

تیسرے دن کی نصیحت :

گلدستہ گلستان نبی اور گلبن گلزار علی کی تیسرے دن کی نصیحت :

اوّل: اے جماعتِ مؤمنین! جان لو اور آگاہ ہوجاؤ اور دل اور جان کے کان سے سنو، سَر کے کان سے مت سنو، ایسا بھی نہ ہو کہ ایک کان سے سنو اور دوسرے کان سے نکالدو، اس شخص کی طرح مت بنو جو تجارت کی غرض سے کسی شہر کی جانب سفر پر روانہ ہوتا ہے، زادِ راہ لیتا ہے، جنس بھی، حیوان بھی، سواری بھی، بوجھ اٹھانے والے حیوان بھی۔ ان تمام انتظامات کے ساتھ وہ سفر پر روانہ ہوتا ہے، مگر راستہ خطروں سے پُر ہے، اور راستہ دکھانے والا رہنما ساتھ نہیں ہے، اور شہر میں داخل ہونے کا راستہ سخت اور دشوار ہے، اگر کسی دانا رہبر اور کامل رہنما کی رہنمائی میں اس شہر کا رخ کرے گا تو راستے کے تمام خطرات سے محفوظ رہے گا اور سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچے گا (ورنہ ہلاک ہو جائے گا)۔

دوم: میں آپ مؤمنین کے سامنے دو دکانوں کی مثال پیش کرتا ہوں جن کے اندر دوقسم کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک دکان کی چیزیں بڑی، خوبصورت اور خوشنما لگتی ہیں، مگر وہ کم قیمت ہیں، اور وزن میں ہلکی ہیں، اور چیزوں کی دوسری قسم ایسی ہے جو دیکھنے میں خوبصورت اور خوشنما نہیں لگتیں، مگر وہ بہت قیمتی ہیں اور وزن میں بھاری ہیں۔ جو چیز دیکھنے میں خوشنما مگر قیمت میں کم ہے وہ دنیا ہے، اور جو چیز قیمتی اور گران تر ہے وہ آخرت ہے۔ اب تم ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرو۔ دنیا میں اندھا ہونا بہتر ہے مگر آخرت میں اندھا ہونا سخت مشکل ہے۔

سوم: اے جماعت مومنین، جان لو اور آگاہ ہوجاؤ کہ دنیا میں بہت سے شیاطین ہیں، اور وہ ہزاروں صورتوں میں اور ہر شکل میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں، اور اولاد آدم کو گمراہ کرتے ہیں، اور آدم کی اولاد کو بہکاتے ہیں، شیطان صرف وہ نہیں ہے جس نے حضرت آدم صفی اللہ کو بہکایا تھا، بلکہ شیاطین بہت ہیں، آپ مومنین خداوند جلّ ذکرہٗ کی توفیق سے شیطان سے بچتے رہو، اور مولا کی رضامندی کی راہ میں اپنے دلوں کو پہاڑ کی طرح مضبوط اور محکم بناؤ، اور اپنے مولا کی یاد سے غافل مت ہوجاؤ تاکہ شیطان کو تمہارے دل میں گھسنے کی راہ نہ مل جائے۔

شیطان انسانوں کی شکل میں ہی ہوتا ہے نہ کہ کسی اور شکل میں، کبھی خود کو بری شکل میں ظاہر کرتا ہے اور ڈراتا ہے اور کبھی اچھی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور اولاد آدم کو بہکاتا ہے۔

چہارم: اے جماعت مومنین، اس کے بعد اگر کوئی آسمان سے بھی اترے، خبردار اس کی پیروی مت کرو، اور میں نے تمہیں جو نصیحتیں کیں انھیں اس لکیر کی طرح مت بناؤ جسے تم اپنی لاٹھی سے پانی پر کھینچتے ہو، بلکہ اس شکل کی طرح اپنے دلوں پر نقش کرو جو تمہارا پاؤں گارا پر بناتا ہے، اور مجھے مت بھولو، اور غافل مت ہوجاؤ، اور میری نصیحت کو مت بھولو، اگر غفلت کرکے بھول گئے تو کل قیامت کے دن میں تم میں سے ایک ایک سے سوال کروں گا، دنیاوی شرمندگی آسان ہے مگر آخرت کی شرمندگی مشکل ہے، اگر میری نصیحت کو یاد رکھو گے اور مت بھولوگے اور اس کی پیروی کروگے تو قیامت کے دن میں تم مومنین کا ضامن بنوں گا، اور اگر ترازو میں میری ان نصیحتوں کے ایک لفظ کو ایک طرف اور پوری دنیا کو ایک طرف رکھو گے

اور تولو گے تو میری نصیحت کا ایک لفظ (پوری دنیا سے) افضل تر ہوگا، اس وقت تم مومنین میری پند و نصیحت کو قبول کرتے ہو اس سے مجھے خوشی حاصل ہوتی ہے، مگر اصل خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب یہاں سے چلے جانے کے بعد میں یہ سنوں گا کہ کنجود [ہنزہ] کی جماعت نے میری ان نصیحتوں کو دل کے کان سے سنا ہے اور دل و جان سے انھیں قبول کیا ہے، اور پورے اخلاص کے ساتھ میری باتوں کی پیروی کی ہے، تب میں آپ مومنین سے راضی اور خوش ہوجاؤں گا۔

چوتھے دن کی نصیحت :

(چاشت (پہر دن چڑھے) کے وقت حضرت آقا عبد الصّمد قبرستان کی جانب تشریف لے گئے، اور تھوڑی دیر بعد آپ قبرستان سے واپس تشریف لے آئے اور جماعت کو جو وہاں حاضر تھی جمع کیا اور مجلس کے درمیان کھڑے ہوکر فرمایا:)

اے جماعت، جس طرح میں آپ کو یاد کرتا ہوں اسی طرح میں نے آج تمہارے ان افراد کو بھی یاد کیا جو فوت ہوچکے ہیں، اور میں تمہارے باپ دادوں اور دوسروں کی قبروں پر گیا، ان کی روحوں کی مغفرت اور شفاعت کے لئے میں نے دعا کی، مبارک ہو تم لوگوں کو، آج تم ایسے ہو جیسا کہ اپنی ماؤں سے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہو۔ تین بار ٹوپی اتار کر یا علی کہو۔

(چونکہ اس سے قبل چوتھی نصیحت کے بعد آپ کے حضور بیمار جمع ہوگئے تھے، آپ نے تبسم کرتے ہوئے ان کو مخاطب کیا اور فرمایا) :

اے بیمار لوگو! میں تمہارے جسموں کا ڈاکٹر نہیں ہوں بلکہ روحوں کا ڈاکٹر ہوں، اور روحوں کے زخموں پر مرہم رکھتا ہوں، اور انھیں شفا بخشتا ہوں (یہ فرمایا اور اندر تشریف لے گئے)

[اس کے بعد تقریباً چودہ سطروں میں راوی کے کچھ اپنے دعائیہ الفاظ ہیں جن میں کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں ہے اس لئے انھیں حذف کیا گیا]

کریم آباد میں آپ کی آخری نصیحت :

باغ حیدری کے بلبل نے اپنی آخری نصیحت میں درفشانی کرتے ہوئے فرمایا کہ: اے جماعتِ مولا! تمہارے لئے جو بھی نصیحت میں نے کی ہے اسے یاد رکھتے ہو کہ نہیں،میں تم سے زبانی بہادری نہیں چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تم دل کے دلیر بنو۔ خدانخواستہ تم اس گروہ کی طرح مت بنو جس کے پانچ ہزار سپاہیوں نے حضرت امام حسینؑ کی بیعت کی اور جان نثاری کا عہد و پیمان باندھا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے گروہ مسلمانان جان لو کہ یزید نے مجھے اور میری اولاد کو قتل کرنے اور اہل بیت کو قیدی بنانے کے لئے کمر باندھا ہے، وہ تم کو قتل نہیں کرتا۔ میں اس مصیبت پر راضی ہوں۔چاہئے کہ تم اپنی بیوی بچوں سے جدا مت ہو جاؤ، کل لڑائی ہونے والی ہے، سپاہیوں نے جان نثاری کا وعدہ کیا جب عاشورہ کی رات آئی حضرت امام نے ایک بار پھر انھیں چلے جانے کی اجازت دی، انھوں نے دوبارہ جان نثاری کا عہد باندھا، جب شب عاشورہ کا آدھا حصہ گزر گیا تو ان تمام سپاہیوں میں سے اکہتر(۷۱) آدمیوں(۹۹) کے سوا کوئی باقی نہ رہا، اور سب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے۔

نیز کوفہ کے ان لوگوں کی طرح مت بنو جن میں سے چوبیس ہزار لوگوں نے حضرت امام (حسین) کے لئے عہد نامہ لکھا اور اس پر ہر ایک نے دستخط کیا اور کہا کہ ہم نے آپ کی بیعت کی اور یزید سے منہ موڑ لیا، اور اس کے ساتھ مقابلہ اور مخالفت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وعدہ تو ایسا کیا مگر بعد میں اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، سب نے یزید کا ساتھ دیا، اس لئے کہ یزید کا سونا (دولت) دیکھا، آپ کے لئے بھی یہ مناسب نہیں کہ میری موجودگی میں میری باتوں پر عمل کرو، سروں کو جھکالو اور آنکھوں سے آنسو بہاؤ۔ میں صرف ان باتوں سے خوش نہیں ہو جاؤں گا، میرے چلے جانے کے بعد میری نصیحتوں کو مٹی میں دفن مت کرو، اور میری غیر موجودگی میں ان سے انکار مت کرو، بلکہ جوانمردی کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ کہنا ہے وہ میرے سامنے کہو۔

نیز جب شیطان تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈالے تو حضرت امام علیہ السلام کی یہ شہادت، اہل بیت کی اسیری اور لشکر کی بے وفائی کو یاد کرو تاکہ شیطان لعین تم سے دور رہے گا۔آخری بات یہ ہے کہ اگر تم میری کی ہوئی نصیحتوں سے پھر گئے اور ان کو فراموش کیا تو میں کل قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر حضرت شاہ شہیدان کربلا (امام حسین) کے سامنے شکایت کروں گا۔ (بتوفیق مولانا جلّ ذکرہ آخری نصیحت مکمل ہوگئی)۔

[اس کے بعد راوی اپنی طرف سے کچھ دعائیہ کلمات کا اضافہ کرتا ہے اور ذیل کی آخری نصیحت درج کرتا ہے جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ علی آباد میں فرمائی تھی]

ہنزہ میں آپ کی آخری نصیحت جو علی آباد میں فرمائی تھی:

اے جماعت مولانا! جان لو اور آگاہ ہوجاؤ، اور یہ میری آخری نصیحت ہے (پھر زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا): اے مومنو، میں تمہارے لئے ایک نہایت اچھے دہقان کی طرح ہوں، اور ایک بہت اچھا درخت اگایا ہے، اب تم پوری کوشش کرکے اس درخت کی پرورش کرو، اور اس کا میٹھا اور مزیدار پھل کھاؤ تاکہ تمہارے جسم اور روح دونوں کو فائدہ حاصل ہو، اور اگر غفلت کرکے اس کے میوے کو تلخی اور ترشی سے کھا لیا تو اس سے تمہارے جسم اور روح دونوں کو دردناک تکلیف پہنچے گی۔ میں نے یہ امانتیں تم مومنین کے پاس رکھیں ہیں۔ میری اس امانت کو خواہ قیامت کے دن پاک اور صاف حالت میں میرے حوالے کرو یا گرد اور زنگ لگا کر حوالہ کرو۔ مثلاً اگر کوئی شخص آپ کے پاس کوئی زیور یا روپیہ پاک اور صاف حالت میں امانت رکھتا ہے، جب وہ واپس مانگے تو آیا اس امانت کو میلا اور زنگ آلود بنا کر واپس کرنا اچھا ہوگا یا پاک و صاف حالت میں واپس کرنا بہتر ہوگا، آپ مومنین پر لازم ہے کہ قیامت کے دن میری امانت کے ان موتیوں کو پاک اور صاف حالت میں مجھے واپس کرو تاکہ شرمندہ نہ ہوجاؤ۔

نیز یہ کہ دنیا کی خاطر دین کا سودا مت کرو، اور دنیا کی خاطر دین کو فروخت کرنا ایسا ہے جیسا کہ اپنی بیوی کو تھوڑی سی قیمت کی خاطر فروخت کرنا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اپنی بیوی کو فروخت کرے گا، نعوذ باللہ منہا (یعنی ہم اس سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں) اور جس شخص کے پاس دین کی غیرت نہیں اور اپنی بیوی کی غیرت نہیں تو یہ ایک

اپنی بیوی کا دیّوث (بے غیرت) ہے اور وہ دوسرا دین کا قلتبان (بے غیرت) ہے۔ جب کسی کے گھر میں کوئی خویش و بیگانہ وغیرہ مہمان آتا ہے تو حتی الامکان وہ اس کی مہمان نوازی کرتا ہے، اشیائے خورد و نوش سے لیکر میوہ تک جو بھی گھر میں موجود ہو وہ اسے دیدیتا ہے، اور دریغ نہیں کرتا۔ مگر مہمان جتنا بھی اہم کیوں نہ ہو کوئی بھی شخص اپنی بیوی اسے نہیں دیتا۔ پس دین کا معاملہ بھی ایسا ہی سمجھو۔ ایک ہی مجلس میں ایک گھنٹے کے لئے یا ایک دن کیلئے یا ایک رات کے لئے کسی غیر دین کے ساتھ بات چیت کرکے اپنا دین اور اپنا مذہب ہاتھ سے مت جانے دو، تم اس کی میٹھی آواز اور باتوں پر عاشق ہوتے ہو اور اس کے پیچھے جاتے ہو، یہ جوانمردوں کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ بے غیرتوں کا کام ہے۔ کیا تم نے پیغمبر کا قول سنا ہے کہ آپ صلعم نے بے غیرتوں کے حشر کے بارے میں کیا فرمایا ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بے غیرتوں کا حشر خوک اور ریچھ کی شکل میں ہوگا۔

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان مروت با دشمنان مدارا

ترجمہ: دونوں جہانوں کے امن و آسائش کا راز اس بات میں پوشیدہ ہے کہ دوستوں کے ساتھ رعایت اور فیاضی سے پیش آؤ اور دشمنوں کے ساتھ صلح و آشتی برقرار رکھو (حافظ)۔

عبدالصمد الحسینی

حواشی:

[۱] امام سلطان محمد شاہ، اسلام میرے موروثوں کا ،مذہب، کراچی ۱۹۹۰ء، ص ۹۔

[۲] سید امداد حسین (مترجم و مفسر)، تفسیر المتقین، لاہور ۱۳۸۱ھ، ص ۴۵۹۔ آیندہ سطور میں اس تفسیر کا حوالہ صرف تفسیر المتقین کے نام سے دیا جائیگا۔

[۳] مثلاً ابن سینا نے اشارات وتنبیہات میں اس آیت کی ایک نہایت مختصر اور نامکمل فلسفیانہ توضیح پیش کی ہے اور اس سے مراد انہوں نے عقل کے مختلف مدارج (عقل ہیولانی، عقل بملکہ، عقل مستفاد وغیرہ) لئے ہیں۔ ملا صدرہ نے **تفسیر آیۃ النور** کے عنوان سے اس آیت کی اشراقی فلسفہ اور بعض صوفیوں کے اقوال کی روشنی میں ایک تشریح لکھی ہے جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہوا ہے، اسیطرح الغزالی نے بھی مشکوٰۃ الانوار کے نام سے ایک رسالہ رکھا ہے جس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

[۴] سیوطی، جلال الدین، تفسیر درّ منثور (مترجم پیر محمد کرم شاہ)، لاہور، کراچی ۲۰۰۶ء، ج ۵، ص۱۳۶۔

[۵] الطبا طبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت ۱۹۷۳ء، ج ۱۵ ص ۱۴۱)۔

[۶] ناصر خسرو، خوان الاخوان، قاہرہ ۱۹۴۰ء، ص ۲۵، ۲۶

[۷] کشفی، سید محمد صالح، کوکب درّی فی فضائل علی (ترجمۂ شریف حسین سبزواری)، لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۵۰۔

[۸] ایضاً، ص ۱۰۲

[۹] ایضاً، ص ۱۵۰

[۱۰] کلام پیر، بمبئی ۱۹۳۴ء، ص ۷۵؛ کوکب درّی، ص ۱۴۰۔

[۱۱] القرآن، ۲: ۸۷۔ نیز دیکھئے ناصر خسرو، وجہ دین، تہران ۱۹۷۷ء، گفتار ۱۱، ص ۱۰۵؛ سیدنا جعفر بن منصور الیمن، کتاب الرّضاع فی الباطن، مخطوطہ نمبر ۴۳۱، اثرب لائبریری، ص ۲۵ ببعد جہاں آیہ نور کی بعض اصطلاحات مثلاً زیتون، مصباح وغیرہ کی نظام حدود کے حوالے سے مختصراً وضاحت کی گئی ہے؛ نیز ان ہی کی الشواہد والبیان، مخطوطہ نمبر اے۔ ۳۶۷ اثرب لائبریری، ص ۸۸ تا ۸۹ جہاں سیدنا نے حدود دین کے حوالے سے اس آیت کی ایک بہت مختصر توضیح پیش کی ہے۔

[۱۲] اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۵۳۵

[۱۳] الطوسی، خواجہ نصیر الدین، آغاز و انجام (مترجم عزیزاللہ نجیب)، غیر مطبوعہ مسودہ، ص۱۶

[۱۴] ـــــ سیر و سلوک، لندن ۱۹۹۸ء، ص ۸؛ ناصر خسرو، وجہ دین، گفتار۱، ص ۱۲؛ خوان الاخوان۔ صف ۲۰، ص ۵۳

[۱۵] کلام پیر، ص ۸۵ تا ۸۶؛ کوکب دری، ص ۳۳؛ خوان الاخوان، ص صف۲۰، ص ۵۳؛ وجہ دین، ص ۱۲

[۱۶] تفسیر المتقین، ص ۴۵۹؛ المیزان، ص ۱۴۲۔ اس آیت کی ایک اسی سے ملتی جلتی تشریح کے لئے دیکھئے کلام پیر، ص ۲۹ تا ۳۲، ۹۹ [۱۷] المیزان، ص ۱۴۲

[۱۸] القرآن الکریم، ترجمہ و حواشی از تفسیر نمونہ، مترجم سید صفدر حسین نجفی، لاہور ۱۹۹۵ء، حواشی صفحہ ۴۲۷۔ آیندہ سطور میں اس تفسیر کا حوالہ صرف تفسیر نمونہ کے نام سے دیا جائے گا۔

[۱۹] تفسیر المتقین، ص ٦٣٧

[۲۰] تفسیر نمونہ، ص ۵۹۰

[۲۱] تفسیر المتقین، ص ۲۱۹

[۲۲] کوکب درّی، ص۱۷۸

[۲۳] ایضاً، ص ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵

[۲۴] النعمان، القاضی ابو حنیفہ بن محمد، دعائم الاسلام، سورت ۱۹٦۴ء، ج ۱، ص ۲٦۴

[۲۵] روحانی روشنی (فرامین امام سلطان محمد شاہ)، کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۱۰

[۲٦) ناصر خسرو، زاد المسافرین، تہران ۱۳۴۱ھ، ص ۱۸۳

[۲۷] کلام پیر ص ۸۰

[۲۸] تفسیر المتقین، ص ۲۴۸

[۲۹] ایضاً، ص ۷۲۸

[۳۰] امام سلطان محمد شاہ، بمبئی، ۸۔ ۹۔ ۱۸۸۵ء

[۳۱] تفسیر المتقین، ص ۵۷۲

[۳۲] تفسیر نمونہ، ص ۵۳۰

[۳۳] ایضاً

[۳۴] آیات الہدیٰ، شائع کردہ شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان، کراچی ۲۰۰۲ء، ص ۷۵، ۷٦ بحوالۂ تفسیر نور الثقلین (عربی)، ج ۴، ص ۱٦٦

[۳۵] تفسیر المتقین، ص ۱۳٦

[۳٦] تفسیر نمونہ، ص ۱۲۷

[۳۷] تفسیر المتقین، ص ۱۴۲

[۳۸] کوکب درّی، ص ۳۵

[۳۹] تفسیر المتقین، ص ٦۳۴

[۴۰] خوان الاخوان، ص ۲۲۲

[۴۱] تفسیر المتقین، ص ۷۳۵

[۴۲] المیزان، ج ۱۵، ص ۱۴۰

[۴۳] امام سلطان محمد شاہ، راجکوٹ، ۲۰۔ ۲۔ ۱۹۱۰ء

[۴۴] ایضاً، ڈھاکہ، ۱۷، ۲، 1952

[۴۵] تفسیر المتقین، ص ۵۴

[۴٦] ناصر خسرو، دیوان اشعار (تصحیح کرامت تفنگ دار)، تہران ۱۳۷۴ھ، ص ۴۴۵

[۴۷] ایضاً، ص ۴۵۷

[۴۸] ایضاً، خوان الاخوان (مترجم عزیز اللہ نجیب)، کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۸۷

[۴۹] ایضاً، ص ٦۰ تا ٦۱

[۵۰] تفسیر المتقین، ص ۷۰۳

[۵۱] ایضاً، ص ۵۹۷

[۵۲] تفسیر نمونہ، ص ۵۵۳

[۵۳] الغزالی، ابو حامد، تلاش حق (مترجم خالد حسن خان)، لاہور ۱۹۷۱، ص ۸

[۵۴] امام سلطان محمد شاہ، زنجبار، ۳۱۔ ۸۔ ۱۸۹۹ء

[۵۵] دیوان حضرت علیؑ، مترجم اردو، کراچی ۱۹۷۱ء، ص ٦۴

[۵٦] ناصر خسرو، دیوان اشعار، ص ۴۴۹، ۴۵۰

[۵۷] ایضاً، روشنائی نامہ (ضمیمہ دیوان، تصحیح تفنگ دار)، ص ۷۰۲

[۵۸] امام سلطان محمد شاہ، دار السّلام، ۲۹۔ ۹، ۱۸۹۹ء

[۵۹] روشنایی نامہ (ضمیمہ دیوان)، ص ۷۰۴

[۶۰] امام سلطان محمد شاہ، احمد آباد، ۱۳، ۱۰، ۱۹۳۰ء

[۶۱] ایضاً، منجیوڑی، ۳۱، ۱۰، ۱۹۰۳ء

[۶۲] روشنایی نامہ (ضمیمہ دیوان)، ص ۷۰۵

[۶۳] ناصر خسرو، خوان الاخوان، ص ۱۰۵ تا ۱۰۶

[۶۴] روحانی روشنی، ص ۱۶

[۶۵] روشنایی نامہ (ضمیمہ دیوان)، ص ۷۰۵

[۶۶] خوان الاخوان (مترجم عزیز اللہ نجیب)، ص ۷۴ تا ۷۶

[۶۷] ایضاً، فارسی متن صف ۲۰، ص ۵۳

[۶۸] امام سلطان محمد شاہ، کچھ بدریسر، ۲۳۔ ۱۱، ۱۹۳۰ء

[۶۹] ایضاً، زنجبار، ۱۴، ۹، ۱۸۹۹ء

[۷۰] ایضاً، وڈھواں کیمپ، ۱۸، ۱۰، ۱۹۰۳ء

[۷۱] ایضاً، ۱۹، ۱۰، ۱۹۰۳ء

[۷۲] ایضاً، کچھ ناگلپور، ۲۸، ۱۱، ۱۹۰۳ء

[۷۳] ایضاً، بمبئی، ۴، ۴، ۱۹۰۸ء

[۷۴] ایضاً، روحانی روشنی، ص ۸

[۷۵] ایضاً، زنجبار، ۷، ۱۷، ۱۸۹۹ء

[۷۶] ایضاً، بمبئی، ۸، ۹، ۱۸۸۵ء

[۷۷] ایضاً، احمد آباد، ۱۳، ۱۰، ۱۹۰۳ء

[۷۸] دستغیث شیرازی، توبہ (مترجم عابد حسین عسکری)، کراچی ۱۹۹۲ء، ص ۳۲

[۷۹] خوان الاخوان (مترجم عزیز اللہ نجیب)، ص ۳۳

[۸۰] ایضاً، ص ۹۱ تا ۹۵

[۸۱] ایضاً، ص ۳۲

[۸۲] ایضاً، فارسی متن صف ۲۲، ص ۶۲

[۸۳] ایضاً، ۱۲۰ تا ۱۲۱

[۸۴] امام سلطان محمد شاہ، زنجبار، ۷، ۷، ۱۸۹۹ء

[۸۵] آیات الھدیٰ، ص ۱۰۸ بحوالہٗ حیات القلوب، ج ۳، ص ۲۰۸

[۸۶] تفسیر المتقین، ص ۳۷۵

[۸۷] آیات الھدیٰ، ص ۱۱۱ بحوالہٗ حیات القلوب، ج ۳، ص ۲۰۵ تا ۲۰۶

[۸۸] روحانی روشنی، ص ۱۹

[۸۹] مولانا حاضر امام، کراچی ۱۳۔ ۱۲۔ ۱۹۶۴ء

[۹۰] مجلسی علامہ باقر، حیات القلوب، ج ۳ (مترجم مولوی حشمت علی)، لاہور ۱۹۶۲ء، ص ۷۸

[۹۱] عبد اللہ شاہ، محمد، علی سلطاناً نصیراً، لاہور ت ن، ص ۹۶

[۹۲] تفسیر المتقین، ص ۱۷۹

[۹۳] طوسی کی آغاز و انجام کے ترجمے کا غیر مطبوعہ مسودہ، ص ۱ تا ۵

[۹۴] متن میں خداوند محمد لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد مولانا اعلیٰ محمد بھی ہوسکتے ہیں اور مولانا علاء الدین محمد بھی۔ واضح رہے کہ خداوند محمد، دیلم کے ایک نزاری حکمران کا بھی نام ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر دفتری کا خیال ہے کہ وہ ممکن ہے کہ وہی محمد شاہی نزاری امام محمد شاہ بن مومن شاہ (متوفی ۸۰۷/۱۴۰۴) ہو۔ دیکھئے دفتری، اسماعیلی تاریخ و عقائد (مترجم عزیز اللہ نجیب)، ص ۴۵۸

[۹۶] فرہاد دفتری، اسماعیلی تاریخ و عقائد (مترجم عزیز اللہ نجیب)، کراچی ۱۹۹۷ء، ص ۵۳۰

[۹۵] آغاز و انجام کے ترجمے کا غیر مطبوعہ مسودہ، ص ۱ تا ۵

[۹۶] فرہاد دفتری، اسماعیلی تاریخ و عقائد (مترجم عزیز اللہ نجیب)، ص ۵۳۰

[۹۷] ایثار، فدا علی، شمالی علاقہ جات میں اسماعیلی دعوت، کراچی ۱۹۹۱ء، ص ۵۲ تا ۵۳۔ چٹورکھن میں آپ کی علالت سے متعلقہ اطلاعات بھی از راہ نوازش محترم اعتمادی صاحب نے ہی بہم پہنچائی ہیں۔

[۹۸] ہر چند کہ دِین اور دَین کا مادّہ ایک ہی ہے، تا ہم جب یہ لفظ کسر اول کے ساتھ آتا ہے تو مذہب اور عقیدہ کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اگر فتح اول کے ساتھ آئے تو اس کے معنی قرض کے ہوتے ہیں۔

[۹۹] ان افراد کی تعداد عام طور پر ۷۲ بتائی جاتی ہے، مگر یہاں ۷۱ لکھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے راوی یا کاتب کی غلطی ہو۔

[۱۰۰] ناصر خسرو، دیوان اشعار، ص ۳۷۷

منتخب کتابیات :

آیـــات الهـدیٰ، شائع کردۂ اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ، کراچی ۲۰۰۲ء

ابن سینا، ابو علی الحسین، **الاشارات و التنبیهات** (مترجم احسان یار شاطر)، تہران ۱۳۳۲ ش

اصفہانی، امام راغب، **مفردات القرآن**، لاہور ۱۹۷۱ء

ایثار، فدا علی، **شمالی علاقه جات میں اسماعیلی دعوت**، کراچی ۱۹۹۱ء

جاڑا، حسین بخش، **تفسیر انوار النجف**۔ج ۱۰، الغدیر پریس سرگودھا ۱۹۸۵ء

دیوان حضرت علی، ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۷۱ء

روحانی روشنی (فرامین امام سلطان محمد شاہ)، کراچی ۱۹۸۵ء

سید امداد حسین (مترجم و مفسر)، **تفسیر المتقین**، لاہور ۱۹۸۱ء

سیوطی، جلال الدین، **تـفسیـــر در منـثـور**، ج ۵ (مترجم پیر محمد کرم شاہ)، لاہور، کراچی ۲۰۰۶ء

شیرازی، دستغیث، **توبه** (مترجم عابد حسین عسکری)، کراچی ۱۹۹۲ء

شیرازی، ملا صدر الدین، **تفسیر آیة نور** (ترجمۂ پیروانی، ل۔ پ)۔ لندن ۲۰۰۴ء

الطبا طبائی، علّامہ محمد حسین، **المیزان فی تفسیر القرآن**۔ ج ۱۵، بیروت ۱۹۷۳ء

الطّوسی، خواجہ نصیر الدین، **آغاز و انجام** (مترجم عزیز اللہ نجیب)، غیر مطبوعہ مسودہ

------ **سیر و سلوك**، لندن ۱۹۹۸ء

------ **روضۂ تسلیم** (تصحیح و ترجمۂ سیّد جلال بدخشانی)، لندن ۲۰۰۵ء

عبد اللہ شاہ، محمد، **علی سلطاناً نصیراً**، لاہور ت ن

الغزالی، ابو حامد، **مشکوٰۃ الانوار** ، در **مجموعۂ رسائل امام غزالی**۔ ج ا، کراچی ۲۰۰۴ء

فرمان مبارک (مجموعہ فرامین امام سلطان محمد شاہ)، کراچی ۱۹۹۰ء

فرہاد دفتری، **اسماعیلی تاریخ و عقائد** (مترجم عزیز اللہ نجیب)، کراچی ۱۹۹۷ء

القرآن الکریم ، ترجمہ و حواشی از **تفسیر نمونہ** (مترجم سید صفدر حسین نجفی)، لاہور ۱۹۹۵ء

قرآن کریم، مع تفسیر حسینی ، ترجمہ بفارسی از شاہ ولی اللہ، تفسیر از ملا حسین واعظ کاشفی، لاہور ۱۳۷۳ھ

کلام پیر (منسوب بہ خیرخواہ ہراتی)، بمبئی ۱۹۳۴ء

کشفی، سید محمد صالح، **کوکب درّی** (مترجم سید شریف حسین سبزواری)، لاہور ۱۹۶۳ء

مجلسی، علامہ باقر، **حیات القلوب**، ج ۳ (مترجم مولوی حشمت علی)، لاہور ۱۹۶۲ء

محی الدین ابن عربی، **تفسیر القرآن الکریم**۔ ج ا، بیروت ۱۹٦۸ء

مفتی محمد شفی، **معارف القرآن**، ج ٦، کراچی ۱۹۸۰ء

ناصر خسرو، **خوان الاخوان**۔ تصحیح یحیٰی الخشاب، قاہرہ ۱۹۴۰ء

—— **انتخاب خوان الاخوان** (مرتب و مترجم عزیز اللہ نجیب)، کراچی ۱۹۹۴ء

—— **دیوان اشعار** (تصحیح کرامت تفنگ دار)، تہران ۱۳۷۴

—— **وجہ دین**، تہران ۱۹۷۸ء

—— **زاد المسافرین**، تہران ۱۳۳۴ھ

—— **روشنایی نامہ** (ضمیمہ دیوان اشعار تصحیح کرامت تفنگ دار)، تہران ۱۳۳۴

النعمان، القاضی ابو حنیفہ بن محمد، **دعائم الاسلام**، ج ا (ترجمہ شکیب مبارک پوری)، سورت ۱۹۴٦ء